ماہنامہ

ہمدرد

نونہال

نومبر ۱۹۸۸

آگیا آگیا ہمارا ٹوتھ پیسٹ

پہلی بار ہمارے لیے پیارا ٹوتھ پیسٹ

ہاتھی کے دانت دکھانے کے

ہمدرد کا نوتہال ٹوتھ پیسٹ

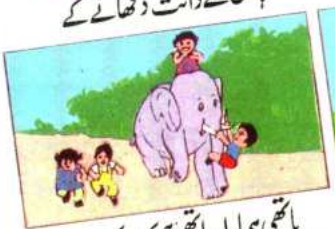

ہاتھی ہمارا ساتھی ہم کو سیر کرائے

ہمارے دانت کھانے کے

نوتہال ٹوتھ پیسٹ

دانتوں کو چمکائے سانسوں کو مہکائے

ہمدرد

ہم خدمت خلق کرتے ہیں

عزیز نونہالو!

تمام دنیا کے اچھے بچّوں کی طرح تم بھی یقیناً ہر روز صبح اور ہر رات سونے سے پہلے دانتوں کی صفائی کرتے ہو گے۔

اور اب پاکستان کے بہت سے نونہال **نونہال ٹوتھ پیسٹ** سے اپنے دانت صاف کرتے ہیں، جو خاص انھی کے لیے ان کے **ہمدرد** نے بنایا ہے اور پاکستان کا دانتوں کے لیے نہایت مفید پہلا ٹوتھ پیسٹ ہے جو خاص طور پر بچّوں کے لیے جناب حکیم محمد سعید صاحب کی ہدایت اور فارمولے کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔

اچھا، اب ایک سوال:

سچّی سچّی بتانا، کیسا لگا یہ ٹوتھ پیسٹ آپ کو؟

ایک اور سوال:

نونہال ٹوتھ پیسٹ کا مزہ کیسا ہے؟ آپ کو اچھا لگا کہ نہیں؟

ہاں یہ بھی بتائیے کہ اس کا رنگ بھی آپ کو پسند آیا کہ نہیں؟

رسالے کے آخر میں ایک کارڈ لگا ہوا ہے اس کو بھر کے آپ ہمیں بھیج دیجیے۔ اگر آپ کی رائے ہوئی تو ہم

نونہال ٹوتھ پیسٹ

کو اور زیادہ مزے دار، خوش بو دار بنائیں گے، بلکہ اس پر بھی غور کریں گے کہ **نونہال ٹوتھ پیسٹ** مختلف ذائقوں میں نونہالوں کے لیے تیار کردیں۔ مثلاً انناس، رسبھری یا لیموں وغیرہ۔

اس کارڈ پر ٹکٹ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ناظم اعلا ہمدرد

HMD/HNY-1/85 ADARTS

ہمدرد نونہال

فون: 616001 سے 616005 (پانچ لائنیں)

ربیع الاول	۱۴۰۹	ہجری
نومبر	۱۹۸۸	عیسوی
جلد	۳۶	
شمارہ	۱۱	
فی شمارہ	۵ رُپے	
سالانہ	۵۵ رُپے	
سالانہ	(رجسٹری سے) ۱۰۳ رُپے	

مجلس ادارت

صدر مجلس — حکیم محمد سعید

مدیر اعلا — مسعود احمد برکاتی

مدیرۂ اعزازی — سعدیہ راشد

ISSN 0259 - 3734

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

پتا:
ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۵	۶	مسعود احمد برکاتی	پہلی بات
کام یاب انسان	جناب عتیق الرحمٰن صدیقی	۷	۵۳	ڈاکٹر منظور احمد	جیلی فش
اونچے ارادے (نظم)	جناب تلوک چند محروم	۱۱	۱۲	جناب شان الحق حقی	چچا وتن
علامہ اقبال (نظم)	جناب غنی دہلوی	۱۵	۱۷	عظمیٰ تسنیم	ضمیر کی آواز
تحفے	باذوق نونہال	۱۹	۲۳	جناب عنایت علی خاں	چاند اور میں (نظم)
علامہ اقبال	محمد خالد و عتیق حسن رحمانی	۲۴	۲۷	مجیب ظفر انوار	طعنہ
پیار نگر	شازیہ فرحین	۳۱	۳۷	جناب ابرار محسن	پیار کا چراغ
مغرور شہزادی	جناب شمشاد خاں	۴۱	۴۸	شیخ محمد سلیم	محنت سونے سے بہتر ہے

خیال کے پھول ۱۰، **جنرل محمد ضیاء الحق شہید** فاروق عمر اور دوسرے ۵۰، **طب کی روشنی میں** جناب حکیم محمد سعید ۵۹ **ہمدرد انسائیکلوپیڈیا** جناب علی ناصر زیدی ۶۲ **احسان** عدیلہ کیانی ۶۵، **معلومات عامہ** ۷۱ ادارہ ۷۲، **سکندر اعظم** مجیب الرحمٰن اگرو ۷۳، **بزم ہمدرد نونہال** مرزا ظفر بیگ ۷۵، **کارٹون** جناب مشتاق ۸۲ **نونہال مصور** ننھے آرٹسٹ ۸۴ **مسکراتے رہو** ننھے مزاح نگار ۸۵ **صحت مند نونہال** ادارہ ۸۸ **نونہال ادیب** ننھے لکھنے والے ۸۹ **قارئین کی عدالت** نونہال پڑھنے والے ۱۰۴ **معلومات عامہ ۲۶۹ کے جوابات** ادارہ ۱۰۹ **اس شمارے کے مشکل الفاظ** ادارہ ۱۱۲۔

مل جُل کر رہنے میں جو مزہ ہے، وہ کسی چیز میں نہیں۔ جس گھر کے سب لوگ آپس میں میل محبّت سے رہتے ہوں، ایک دوسرے کے کام کرتے ہوں، دکھ درد میں شریک ہوتے ہوں، کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دیتے ہوں، وہ گھر جنّت ہے۔ جس گھر کے لوگوں میں محبّت نہ ہو، ایک دوسرے کا خیال نہ ہو، ذرا ذرا سی بات پر اُلجھتے ہوں، کسی سے غلطی ہو جائے تو اسے معاف نہ کرتے ہوں، وہ گھر جہنّم کی طرح ہے۔ ایسے گھر کا ہر فرد پریشان ہوتا ہے۔ نہ کھانے میں مزہ آتا ہے نہ پینے میں، اُس گھر میں کسی کو سکون نصیب نہیں ہوتا۔ ایسا گھر مسلمانوں کا گھر نہیں ہوتا، مہذّب لوگوں کا گھر نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کا گھر تو امن، چین، خیر و برکت کا گہوارہ ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کی سورۃ الاعراف کی آیت ۱۹۹ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"معاف کرنے کی عادت ڈالو، نیکی کی نصیحت کیے جاؤ
اور جاہلوں سے نہ اُلجھو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے اُن پر اگر ہم غور کریں تو ہماری موجودہ تمام تکلیفوں اور پریشانیوں کا اس میں حل موجود ہے۔ ہم اپنی غلطی پر غور کرنے کی عادت بھول چکے ہیں۔ صرف دوسروں کی غلطیاں ہی ہمیں نظر آتی ہیں اور ہم اُن کو معاف کرنا نہیں چاہتے۔ ہم اپنے بھائیوں اور دوستوں کو نیکی اور بھلائی کی طرف مائل نہیں کرتے، ان کو صحیح راستہ اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیتے، اگر ہم یہ کرنے لگیں اور ناسمجھوں اور جاہلوں سے اُلجھنا اور ان کا طریقہ اپنا کر خود بھی اُن جیسے کام کرنا چھوڑ دیں تو ہم امن و راحت کی جنّت میں پہنچ جائیں۔

جب بھی دوستوں سے ملو، اچھی اچھی باتیں کرو، ان کو بھلائی اور نیکی کا راستہ بتاؤ۔ تم بھی خوش رہو گے اور وہ بھی۔

تمھارا دوست اور ہمدرد
حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

فارسی کا ایک مقولہ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"دوسروں کو معاف کر دینا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی خصلتوں اور عادتوں سے قریب کرنا ہے۔"

فارسی میں ایک اور قول ہے، اس کا ترجمہ بھی پڑھ لیجیے:

"دشمن سے بدلا نہ لو بلکہ احسان کر کے اسے شرمندہ کرو۔"

آج کل ان اقوال کو ہمیں بار بار پڑھنا چاہیے اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا چاہیے۔

ایک بات اور سمجھنے کی ہے کہ بُرے کاموں میں مدد کرنا بھی بُرائی ہے۔ مدد میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ بُرائی ہوتے دیکھیں اور آنکھیں بند کر لیں۔ کم سے کم زبان سے یہ ضرور بتانا چاہیے کہ یہ کام اچھا نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سعادت مند نونہالوں کے لیے اتنی باتیں ہی کافی ہیں۔

اب ہمدرد نونہال کی طرف آئیے!

"خیال کے پھول" کا عنوان جنوری ۱۹۸۹ء سے "گلدستہ" ہوگا۔ اس گل دستے کے لیے آپ تلاش کر کر کے، اچھے اچھے، نئے نئے اقوال بھیجیے۔ اور جس کا قول ہے اُس کا نام ضرور صاف صاف لکھیے۔ نام کے بغیر قول کی اہمیت نہیں ہوتی۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ سے نونہال نئے نئے قول ڈھونڈ کر بھیجیں گے۔

نونہالوں کو نظمیں اپنے نام سے شائع کرانے کا بہت شوق ہے۔ شوق بُرا نہیں ہے، لیکن محنت کرنا اور استاد سے اصلاح لینا ضروری ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ جن نونہالوں کو کسی شاعر کی کوئی نظم پسند آئے وہ نظم اُس شاعر کے نام کے ساتھ لکھ کر بھیجیں۔ آپ کا نام بھی شائع ہو جائے گا، لیکن معلوم ہوتا ہے نونہالوں نے اس بات کو نہیں سمجھا اور وہ دوسرے شاعروں کی نظمیں اپنے نام سے بھیج دیتے ہیں۔ یہ کسی لحاظ سے بھی مزے دار بات نہیں ہے۔ آئندہ ایسی کوئی نظم شائع نہیں کی جائے گی۔

آپ نئے سال سے ہمدرد نونہال میں کیا کیا تبدیلیاں چاہتے ہیں؟ کیا کوئی نیا عنوان آپ کے ذہن میں ہے؟ کیا کوئی پُرانا عنوان بند کر دینا چاہتے ہیں؟ نئے سال کے لیے جو بھی مشورے آپ کے ذہن میں ہوں وہ لکھیے۔ ہم اُن کے اُجالے میں چلیں گے۔

کام یاب انسان

عتیق الرحمٰن صدیقی

امام فخر الدین رازیؒ ایک اونچے مرتبے کے عالم تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ بازار سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے ایک آواز سُنی۔ یہ ایک برف بیچنے والے کی چونکا دینے والی آواز تھی، جو کہہ رہا تھا: "رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔" یہ جُملہ سننا تھا کہ وہ بزرگ پُکار اُٹھے کہ یہ ہے مطلب والعصر ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ کا۔ یعنی زمانے کی قسم انسان حقیقت میں بڑے خسارے میں ہے۔ زمانے سے مُراد عمر کی وہ مدّت ہے جو ایک انسان کو دی گئی ہے اور وہ برف گھلنے کی طرح تیزی سے گزر رہی ہے۔ اس کو اگر فضول کاموں میں ضائع کر دیا جائے تو یہی انسان کا گھاٹا اور نقصان ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم اس طالبِ علم سے جو امتحان کے کمرے میں اپنا پرچہ حل کرنے کے بجائے کسی اور کام میں وقت گزار رہا ہو، کمرے کے اندر لگے ہوئے گھنٹے کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ یہ گزرتا ہوا وقت بتا رہا ہے کہ تم اپنا نقصان کر رہے ہو۔ نفع میں صرف وہ طالبِ علم ہے جو اس وقت کا ہر لمحہ اپنا پرچہ حل کرنے میں صَرف کر رہا ہو۔

العصر، تیسویں پارے کی ایک چھوٹی سی سورت ہے۔ اس سورۃ میں صرف تین آیتیں ہیں یا یوں کہہ لیجیے کہ تین جملے ہیں۔ دیکھنے میں بہت چھوٹے مگر حقیقت میں بہت بڑے ہیں۔ دل میں اُتر جانے والے اور یاد رہ جانے والے کہ کوئی انھیں بُھلانا چاہے بھی تو بُھلا نہ سکے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام میں سے جب دو دوست آپس میں ملتے تو اس وقت تک جُدا نہ ہوتے، جب تک ایک دوسرے کو سورۃ العصر نہ سُنا لیتے۔ اس سورۃ کی اس اہمیت کی وجہ سے مشہور عالم حضرت امام شافعیؒ نے ارشاد فرمایا: "اگر قرآن میں صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تو سمجھ دار بندوں کو ہدایت کے لیے کافی تھی۔

اس سورۃ کے معنی ہیں:

"زمانے کی قسم، انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔"

اس سورۃ میں کامیاب آدمی کی چار صفات بیان کی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ اللہ پر ایمان لائے، دوم نیک عمل کرے۔ سوم صحیح اور سچّی بات دوسروں تک پہنچائے اور چوتھی بات یہ ہے کہ حق اور انصاف کی بات کہنے میں جو مشکل پیش آئے اس پر دوسروں کو صبر کی نصیحت کرے۔ ایمان سے مُراد زبانی ایمان نہیں، بلکہ اصلی اور حقیقی ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"مومن تو حقیقت میں وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائیں اور پھر شک میں نہ پڑیں۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبّت رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے تو پھر اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔" معلوم ہوا کہ ایمان کے معنی اللہ، رسول اور آخرت کو دل سے ماننے اور یقین کرنے کے ہیں۔ یہ یقین جتنا زیادہ ہوگا انسان نیکی اور بھلائی کے کام کرے گا۔ ہر وہ کام نیکی اور اچھائی کا ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے نیکی اور اچھائی کہا ہے اور ہر وہ کام بُرا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے۔ ایمان اور اچھے عمل کا تعلق بیج اور درخت کا سا ہے۔ جب تک بیج زمین میں نہ ہو تو کوئی درخت پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر بیج زمین میں ہو اور کوئی درخت پیدا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بیج زمین میں دفن ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایمان میں تازگی ہو تو اس کا نتیجہ اچھے عمل کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

خسارے اور نقصان سے بچنے کے لیے دو صفتیں اور ضروری ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے والے لوگ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کریں۔ حق کے معنی صحیح، سچّی، کھری اور انصاف کی بات کے ہیں۔ ہر وہ بات جو حقیقت کے مطابق ہو وہ حق کہلاتی ہے۔ اللہ پر ایمان لانے والا اپنی فکر کے ساتھ دوسروں کی فکر بھی کرتا ہے۔

جس سچائی کو اس نے اختیار کیا ہے وہ چاہتا ہے کہ دوسرے بھی اسے مان لیں اور سچوں میں شامل ہو جائیں تاکہ انھیں ناکامی کا منھ نہ دیکھنا پڑے اور وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔ اس بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ جہاں بھی حق اور سچ کے خلاف کام ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو پریشان ہو جاتا ہے۔ اُسے ہاتھ سے روکتا ہے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرتا ہے اور اگر اپنی کم زوری کی وجہ سے ایسا بھی نہ کر سکے تو اسلام اور ایمان کے خلاف کام کرنے والوں کو دِل سے بُرا جانتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: "اُس شخص سے اچھا کون ہو سکتا ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بُلائے، اچھے عمل کرے اور صاف صاف کہے کہ میں اللہ کا فرماں بردار ہوں۔ یہ کام کرتے ہوئے اگر اُسے تکلیف پہنچے یا اُس پر کوئی مصیبت آجائے تو وہ صبر کرے اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حق پر چلنے والوں اور ہمت و صبر سے کام لینے والوں کو آخر کار کام یاب کرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے ہاں کام یاب انسان وہ ہے جس میں یہ اوپر بیان کی گئی چار صفات پائی جاتی ہوں۔ جو آدمی ان چار صفتوں سے خالی ہو وہ دنیا میں کتنا ہی خوش حال کیوں نہ ہو اور لوگ اسے کتنا ہی بڑا اور عزت والا کیوں نہ سمجھتے ہوں، اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑے خسارے میں ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم صحیح معنوں میں اللہ کے بندے بنیں۔ اپنے اندر یہ صفتیں پیدا کریں اور برف کی طرح پگھلتی ہوئی اس تھوڑی سی عمر میں وہ کچھ کر جائیں جس کے کرنے کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے حکم دیا ہے تاکہ نقصان سے بچ جائیں۔

دل چسپ و عجیب

ایک مرتبہ ایک بحری جہاز انگلینڈ سے نیوزی لینڈ کے لیے روانہ ہوا۔ سفر کے دوران اس کے پیندے میں سوراخ ہو گیا اور جہاز میں پانی بھرنے لگا اور جہاز کے ڈوبنے کے آثار نظر آنے لگے۔ اچانک جہاز کے اندر پانی بھرنا خود بہ خود بند ہو گیا۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ ایک بڑی مچھلی اس سوراخ میں پھنس گئی تھی جس کی وجہ سے سوراخ بند ہو گیا تھا اور جہاز ڈوبنے سے بچ گیا۔

مرسلہ: فوزیہ وارث، کراچی

خیال کے پھول

○ حضور اکرمؐ: وہ شخص جس کے پڑوسی اُس کی برائیوں سے محفوظ نہ ہوں جنّت میں داخل نہ ہوگا۔

مرسلہ: نوشاد ہمند، جام شورو

○ حضرت ابوبکر صدیقؓ: ماں باپ کی خوشنودی دنیا میں باعثِ دولت ہے اور آخرت میں باعثِ نجات۔ مرسلہ: سہیل حنیف، کراچی

○ حضرت عمر فاروقؓ: کسی کے اخلاق پر اس وقت تک اعتماد نہ کرو جب تک اسے غصّے کی حالت میں نہ دیکھ لو۔ مرسلہ: الماس محبوب، شمالی کراچی

○ حضرت اویس قرنیؒ: لوگوں کی خیرخواہی کرو گے تو وہ تمھیں اپنا سردار مانیں گے۔

مرسلہ: فیصل غلام محمد

○ حکیم لقمان: علم دل والوں کو اس طرح زندہ رکھتا ہے جس طرح بارش زمینوں کو۔ مرسلہ: خلیل احمد ہوت، کراچی

○ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ: نیکی کی منزل اس کو ملتی ہے جو گناہوں کی وادی سے دامن بچاتا ہوا نکل جائے۔ مرسلہ: عظمیٰ خورشید، کوئٹہ

○ فارابی: دوسروں کا بھلا کرتے وقت یقین رکھو کہ تم اپنا بھلا کر رہے ہو۔

مرسلہ: گل شیر علی سنی، پشاور صدر

○ مائیکلیٹ: محنت کرو، تمھاری زندگی پھولوں کی طرح رنگین اور شہد کی طرح میٹھی بن جائے گی۔

مرسلہ: جے۔ آئی۔ ساغر، کراچی

○ سرڈی ہیرلڈ: کسی شخص کے چہرے پر نہ جاؤ۔ ہر انسان بند کتاب کی طرح ہے جس کا سرورق کچھ ہوتا ہے اور اندر کے صفحوں پر کچھ اور ہوتا ہے۔

مرسلہ: ثمر اقبال محمد خاں، کراچی

○ تُلسی داس: سب سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔ نہ جانے کس بھیس میں اللہ مل جائے۔

مرسلہ: شمیم حاکم قائم خانی، جھڈو

○ ٹیپو سلطان: ظالم کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم کرنے کے برابر ہے۔

مرسلہ: عبدالصمد خان شیروانی، سامارو

○ نپولین: میں اپنے حریفوں پر اس لیے غالب آتا ہوں کہ وہ چند لمحوں کو کچھ نہیں سمجھتے اور میں ان لمحوں کی قدر و قیمت خوب جانتا ہوں۔

مرسلہ: نادیہ اور رحمان، لاہور

اُونچے ارادے

تلوک چند محروم

حضرت تلوک چند محروم کی ایک نایاب غیر مطبوعہ نظم جو اُن کے لائق صاحب زادے پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے شکریہ کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے۔

اے پیارے لڑکو اے نونہالو!
ہمّت کو اپنی اُونچا اُٹھا لو
دِل میں تم اپنے رکّھو ہمیشہ
اچھّے ارادے
اونچے ارادے

سوچو گے جیسا ویسے بنو گے
سوچو گے اچھا اچھّے بنو گے
دل میں تم اپنے رکّھو ہمیشہ
اچھّے ارادے
اونچے ارادے

اچھے ارادے اچھا بنائیں
اونچے ارادے اوپر اُٹھائیں
دل میں تم اپنے رکّھو ہمیشہ
اچھّے ارادے
اونچے ارادے

چچا ولّن

شان الحق حقّی

ایک دن چچا میرے کمرے میں آئے اور لگے بلا وارنٹ تلاشی لینے۔ نام تو اُن کا ولی اللہ تھا، مگر سب چچا ولّن کہتے تھے۔

میں نے کہا، چچا خیر تو ہے، کیا چاہیے؟

بولے، ڈکشنری

میں نے پوچھا، کاہے کی؟

فرمایا، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ڈکشنری کاہے کی ہوتی ہے؟ ارے بھئی الفاظ کی۔

میں نے کہا، آپ نے بجا فرمایا، مگر کون سی زبان کی؟

بولے، پھر تم نے بے کار سوال کیا۔ بھئی ڈکشنری ہوگی تو انگریزی کی ہوگی۔ اردو یا فارسی، عربی کی چاہیے ہوتی تو لُغت کہتا، فرہنگ کہتا، قاموس کہتا۔

میں نے کہا، بالکل درست۔ لیجیے الماری کے اس خانے میں سب ڈکشنریاں ہی رکھی ہوئی ہیں۔

تھوڑی دیر بعد انھوں نے مجھے آواز دی، بھئی وہ لفظ جو مجھے چاہیے، وہ تو اس میں ہے ہی نہیں۔

میں نے دیکھا کہ چچا فرانسیسی کی ڈکشنری لیے بیٹھے تھے۔ میں نے کہا حضرت یہ انگریزی کی ڈکشنری کہاں ہے!

بولے، نہیں یہ دیکھو اس میں انگریزی ہی لکھی ہوئی ہے۔

میں نے کہا، معنی انگریزی میں لکھے ہیں، مگر ہے تو فرانسیسی کی ڈکشنری۔

بولے، سب یہاں سے وہاں تک انگریزی حروف ہیں۔ میں نے عرض کیا، جی ہاں، انگریزی اور فرانسیسی دونوں زبانیں رومن حروف میں لکھی جاتی ہیں۔ ہم کو انگریزی سے زیادہ تعلق ہے، اس لیے ہم انھیں انگریزی حروف کہہ دیتے ہیں۔ آپ لفظ تو بتائیے جو آپ ڈھونڈ رہے تھے۔

چچا نے کہا، سی او ٹی کوٹ کے معنی دیکھنا چاہتا تھا۔ مجھے ہنسی آگئی۔ کہنے لگے، کیوں، کیا میں نے کوئی بے وقوفی کی بات کی ہے۔ میں نے کہا، توبہ توبہ اللہ نہ کرے، میں تو یوں ہنس دیا کہ یہ لفظ دراصل ہماری اپنی زبان کا ہے۔ انھیں یقین نہ آیا تو میں نے ایک ڈکشنری کھول کر دکھائی جس میں لکھا تھا کہ یہ لفظ کہاں سے آیا۔ انگریزی میں کھاٹ سے کوٹ ہو گیا ہے، معنی ہلکا پلنگ یا چارپائی۔

چچا پھٹی پھٹی آنکھوں سے پڑھتے رہے۔ کہنے لگے، اچھا، تو یہ ہمارے ہاں سے دولت ہی سمیٹ کر نہیں لے گئے، الفاظ بھی لے گئے ہیں۔ مجھے پھر ہنسی آئی۔ میں نے کہا، حضرت! لے ہی نہیں گئے، بہت سے الفاظ دے بھی گئے ہیں جو ہم دن رات بولتے رہتے ہیں۔ بعض ایسے لفظ بھی جن کی جگہ ہمارے اپنے الفاظ موجود ہیں۔ کوئی پوچھے کہ چچا، ماموں، عموّ کی جگہ انکل کہنے کی کیا تک ہے۔ ابّا، ابّو، ابّی، بابا کو چھوڑ کر "ڈیڈی" یا امّاں، امّی، بی بی کی جگہ "ممّی"، "ممّا" ہے نا فضول بات؟

چچا بولے، یہ لوگ انگریز بننے کی کوشش کیوں کرتے ہیں۔ میری باتوں پر ہنستے ہو

تمھیں اس پر ہنسی نہیں آتی ؟ میں نے کہا، بلکہ رونا آتا ہے۔ ویسے تو الفاظ کا لین دین قوموں کے درمیان ہوتا ہی آیا ہے، لیکن اپنے ہر لفظ کی جگہ انگریزی کا لفظ بولنے لگیں تو آگے چل کر دنیا کیا سمجھے گی۔ یہی کہ ہم ایسے گئے گزرے جنگلی لوگ تھے کہ ہمارے پاس معمولی چیزوں یا معمولی باتوں کے لیے بھی اپنے الفاظ نہیں تھے۔ ہاں نئی چیزوں کے نام، سائنسی الفاظ، کل پُرزوں کے نام جو ہیں وہ رہیں۔ اگرچہ ان میں سے بھی بعض کے لیے ہم اپنے ہی ہلکے پھلکے موزوں، مناسب الفاظ بنا سکتے ہیں۔ سب قومیں یہی کرتی ہیں۔ اردو میں تو الفاظ بنانے کی بڑی آسانیاں ہیں اور یہ دوسری زبانوں کے الفاظ بھی جوں کے توں لے سکتی ہے، کیوں کہ اس میں سب حروف اور آوازیں موجود ہیں جو دوسری زبانوں میں اکھٹی نہیں ملیں گی۔

چچا بولے، ہاں انگریزی میں تو ت اور د تک کی آواز نہیں۔ ملت کو ملٹ، پاکستان کو پاکستان، زندہ باد کو زنڈہ بیڈ ہی لکھ سکتے ہیں۔ مجھے ہنسی آگئی۔ میں نے کہا، چچا ولی اللہ کھان آپ کا کھیال بالکل ڈرسٹ ہے۔

چچا بولے، تم بالکل غلط انگریزی بول رہے ہو۔ انگریزی میں خان ہے نہ کھان، صرف کان ہے۔ دو چشمی ھ سے جو آوازیں ہم بناتے ہیں وہ انگریزی میں نہیں ہوا کرتیں۔

مقدمہ

ریلوے کے اسٹیشن ماسٹر نے اپنے ایک ساتھی سے کہا، "یہ جو کسان جا رہا ہے، یہ ریلوے پر اپنی بھینسوں کی وجہ سے مقدمہ کرنے والا ہے۔"

ساتھی نے کہا، "یعنی ہماری ٹرینیں اتنی تیز رفتار ہوتی ہیں کہ اس کی بھینسیں کٹ کر مر جاتی ہیں۔"

"یہ بات نہیں، دراصل ہماری ٹرینیں اتنی سُست رفتار ہوتی ہیں کہ لوگ چلتی ٹرین سے اُتر کر اس کی بھینسیں پکڑ کر دودھ دوہتے ہیں اور واپس آخری ڈبے میں چڑھ جاتے ہیں۔"

مرسلہ: شبانہ رحمت علی صدیقی، دولت پور صفن

شاعرِ مشرق
علاّمہ اقبال

غنی دہلوی

اپنا شاعر ہے اقبال
جس کے زرّیں ہیں اقوال

آزادی کی شمع جلائی
قوم کو جس نے راہ دکھائی
قوم کی قسمت جس نے جگائی

اپنا شاعر ہے اقبال
جس کے زرّیں ہیں اقوال

نغمے تم اقبال کے بچّو
کاغذ پر تم خوش خط لکّھو
مِل کر گاؤ ، مِل کر بولو

اپنا شاعر ہے اقبال
جس کے زرّیں ہیں اقوال

کتنے میٹھے اس کے بول
کتنے سچّے اس کے قول
جس کے نغمے ہیں انمول

اپنا شاعر ہے اقبال
جس کے زرّیں ہیں اقوال

قوم و وطن کا ہے مقدور
جو ہے اس دھرتی کا نور
ساری دنیا میں مشہور

اپنا شاعر ہے اقبال
جس کے زرّیں ہیں اقوال

نونہال ادب

نونہالوں میں تعلیم کا شوق پیدا کرنے، ان کی معلومات میں اضافہ کرنے اور ان کو صحت مند تفریح فراہم کرنے کے لیے آسان زبان میں مختصر اور خوب صورت کتابوں کی ضرورت بہت عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی۔ ہمدرد فاؤنڈیشن نے اس مقصد کے لیے "نونہال ادب" کا سلسلہ شروع کیا ہے اور پیاری پیاری کتابیں شائع کی ہیں۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے بچوں کے ذہن روشن ہوں گے، اپنی تہذیب سے محبت پیدا ہوگی اور ان کا وقت مفید کام میں صرف ہوگا۔

کتابوں کے نام

- اسلام کے جاں نثار
- خفیہ سرنگ
- آخری لمحے
- مورا سے فرار
- گدھے کا سر
- قراقرم کی وادی
- بیس سال بعد
- ستاروں کی دنیا
- اندلس کا نجومی
- ہیروں کے چور
- پکڑے گئے
- کروڑ پتی فقیر
- حویلی کے بھوت
- انسان اور جانور
- جھیل کا راز
- ہمت کے کرشمے
- خلائی مسافر
- منصور نگر کی دولت
- گلاب ڈھیری کا نیلم
- پادری کی روح

ہر کتاب کی قیمت آٹھ رُپے ہے

پانچ کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ۲۵ فیصد رعایت۔ ڈاک کا خرچ بھی ادارہ برداشت کرے گا۔ کوئی سی بھی پانچ کتابیں منگانے کے لیے تیس رُپے کا منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر بھیجیے۔ وی۔ پی نہیں بھیجا جائے گا۔ ڈاک خانے سے منی آرڈر کی جو رسید آپ کو ملے وہ اگر بھیج دیں تو منی آرڈر کا انتظار کیے بغیر کتابیں فوراً روانہ کردی جائیں گی۔

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس - ہمدرد سینٹر۔ ناظم آباد ۳، کراچی ۷۴۶۰۰

ضمیر کی آواز

عظمیٰ تسنیم، کراچی

طلحہ کی آنکھ اچانک کھل گئی۔ اس کے کانوں سے اذان کی آواز ٹکرائی۔ "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ"..... اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ"۔

گھڑی دیکھی صبح کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا، لیکن اس کے ذہن میں اذان گونج رہی تھی:

"نماز نیند سے بہتر ہے۔"

پھر اس کے ذہن نے اسے کچوکے لگانے شروع کیے: "طلحہ! کیا تم مسلمان ہو؟ دعوا تم مسلمان ہونے کا کرتے ہو تو کیا اذان کے الفاظ تم نہیں سمجھ رہے؟ اردو کے مشکل شعروں کی تشریح تو تم سمجھ لیتے ہو۔ ڈراموں کے مشکل مشکل مکالمے بھی مزے سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ لیکن..... افسوس تم اس جملے کو نہیں سمجھ رہے کہ نماز بہتر ہے نیند سے۔"

طلحہ کے ذہن نے فوراً کہا، "میں سمجھ گیا ان الفاظ کا مطلب۔" لیکن طلحہ کا دل چیخا، "نہیں، نہیں، ابھی تو سخت نیند آرہی ہے۔ رات کو ایک بجے سویا ہوں ڈراما ۸۸ دیکھ کر۔"

طلحہ کا ضمیر آہستہ سے بولا، "طلحہ! تمھیں یاد نہیں جب "اسکائی لیب" گرنے کا خطرہ تھا تو تم کس طرح پوری رات اللہ کی یاد میں جاگتے رہے تھے۔ جب طوفان آنے کا ڈر ہوا تو سب کے ساتھ اللہ کے حضور سجدے میں گر گئے تھے۔ پچھلے دنوں شر پسند عناصر نے گھروں کو جلانا شروع کیا تو تم بھی تو اپنی سلامتی کے لیے پابندی وقت کی نماز پڑھنے لگے تھے۔ کیا تم صرف مشکل وقت میں اللہ کو یاد کرتے ہو؟ تمھیں آرام سے رات بھر سونا نصیب ہوا کیا اس لیے اللہ کا شکر ادا نہیں کروگے۔ اُٹھو.....

طلحہ اُٹھو.....

"نماز نیند سے بہتر ہے۔"

طلحہ ایک دم بستر سے اُٹھا اور جلدی جلدی وضو کرنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ امّی، ابا اور ننھی ماہین جاگ رہے ہیں۔ اپنی سات سالہ بہن کو نماز پڑھتا دیکھ کر وہ اپنے آپ ہی شرمندہ ہو گیا۔ وہ چاروں نمازیں تو باقاعدگی سے پڑھتا تھا لیکن سونے کی خاطر نمازِ فجر گول کر جاتا تھا۔ گھر والے اُسے جگا جگا کر بیزار ہو جاتے تھے، مگر وہ نہیں اُٹھتا تھا۔

مسجد سے آنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آیا اور کھڑکی کھول کر باہر کا نظارا کرنے لگا۔ صبح کا منظر اتنا حسین ہوتا ہے اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ چڑیاں درخت پر چہچہا رہی تھیں۔ پھول پتّوں پر شبنم کے قطرے مسکرا رہے تھے۔ ہلکا ہلکا پھیلتا ہوا اُجالا بڑا اچھا لگ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اپنا سبق یاد کرنے لگا۔ وہی سوال جو وہ تین دن سے یاد نہ کر سکا تھا وہ اسے آدھے گھنٹے میں یاد ہو گئے۔ اسے اپنی مس کی بات یاد آ گئی:

"دیکھو بچّو! صبح کے وقت جو چیز یاد کرو گے وہ جلدی یاد ہو جائے گی۔ لہٰذا تمام بچّے گرمیوں کی چھٹیوں میں صبح سویرے اُٹھیں اور فجر کی نماز کے بعد اپنا سبق یاد کریں گے۔"

طلحہ نے سوچا کہ واقعی مس نے ٹھیک کہا تھا۔

اس کے بعد وہ بابا کے ساتھ باغ میں ورزش کرنے گیا۔ واپسی پر وہ بڑا چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔ وہ مزے سے گرما گرم ناشتا کر رہا تھا ورنہ اس سے پہلے جب وہ صبح دس بجے سو کر اُٹھتا تو ناشتا ٹھنڈا ہی کرنا پڑتا تھا۔ آج وہ جان گیا تھا کہ "نماز بہتر ہے نیند سے۔" نماز پڑھنے سے ایک طرف دین سنورتا ہے اور دوسری طرف دنیا۔

آج طلحہ رات دس بجے ہی سونے چلا گیا، کیوں کہ اسے کل نمازِ فجر کے لیے جو اُٹھنا تھا۔

عظیم اقوال، انوکھے نکتے،
مسکراتے جملے، دل چسپ تحریریں

دو شعر

مرسلہ: علی کامران، صلع لیہ

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جُدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں
مجھے رو کے گا تو اے ناخُدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

ایک عہد

مرسلہ: جمیرا فلک ناز، کراچی

ہمارے نام سے لرزاں ہے گردشِ دوراں
ہمارا عزم جواں ہے ہمارے ساتھ چلو
کرو نہ غم جو ضرورت پڑی تو ہم دیں گے
لہو کا تیل چراغوں میں روشنی کے لیے

ہمدرد نونہال، نومبر ۱۹۸۸ء

بڑھیا کا جھونپڑا

مرسلہ: اسد اللہ مجاہد، کوئٹہ

کہتے ہیں کہ نوشیرواں نے شاہی محل بنوانا چاہا تو اس کے چوکور بنانے کے لیے ایک طرف تھوڑی زمین کی ضرورت تھی جس پر ایک غریب بُڑھیا کا جھونپڑا بنا ہوا تھا۔ سرکاری ملازموں نے بُڑھیا سے زمین خریدنی چاہی تو اس نے بیچنے سے انکار کر دیا۔ نوشیروان نے کہا، "محل چوکور نہ بنے تو بلا سے، مگر بُڑھیا پر جبر نہ ہو۔" شاہی محل ایک طرف سے ٹیڑھا بن گیا۔ محل بن چکا تو بُڑھیا نے حاضر ہو کر کہا، "جہاں پناہ! سچ مچ شاہی محل اس جھونپڑے کی زمین کے بغیر ترچھا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ لیجیے یہ زمین بے قیمت حاضر ہے۔" نوشیرواں نے پوچھا، "تم نے پہلے کیوں انکار کر دیا تھا؟" بڑھیا نے جواب دیا، "صرف اس لیے کہ دنیا بھر میں آپ کے انصاف کا ڈنکا بج جائے۔"

اس پر نوشیرواں نے بُڑھیا کو انعام واکرام دے کر رخصت کر دیا مگر اُس کی زمین نہ لی اور محل کو ٹیڑھا ہی رہنے دیا۔ نوشیرواں اور بڑھیا تو دونوں چل بسے، مگر انصاف کی یہ کہانی اب تک لوگوں کو یاد ہے۔

ماں کا حق

مرسلہ: محمد سمیع اللہ، دیپالپور

ایک شخص نے اپنی ماں کو کندھے پر سوار کر کے

سات حج کرائے۔ ساتویں حج پر خیال آیا کہ شاید میں نے ماں کا حق ادا کر دیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے:

"سخت سردی تھی۔ تُو بچّہ تھا۔ ماں کے پاس سو رہا تھا کہ تُو نے بستر خراب کر دیا۔ تیری ماں نے اُٹھ کر بستر دھویا۔ دوسرا بستر نہ تھا اس لیے اُسی گیلے بستر پر وہ کڑکتی سردی میں خود سو گئی اور تجھ کو رات بھر اپنے سینے پر لٹائے رکھا۔ تُو کہتا ہے کہ حق ادا ہو گیا۔ اے نادان! ابھی تو تُو اس ایک رات کا بھی حق ادا نہیں کر سکا۔"

—— تعلیم اخلاق

جواہر ریزے

مرسلہ: ر۔ م، ٹنڈو جام

● زندگی میں ہم رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں اور موت کے بعد کفن میں لپٹ کر سو جاتے ہیں۔

● اگر پانی پر کوئی لہر نہیں تو یہ نہ سمجھو کہ تہ میں کوئی مگرمچھ بھی نہیں۔

● انسانیت ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اسے لباس میں نہیں انسان میں ڈھونڈو۔

● مقصد کے بغیر زندگی ایک ایسی ڈولتی ہوئی ناؤ ہے جسے اپنے ساحل کا پتا نہ ہو۔

● عظمت چاہو تو صداقت کی تلاش کرو۔ اس تلاش میں تمھیں دونوں چیزیں مل جائیں گی۔

● ہم روشن تر بلندیوں تک تاریک گہرائیوں کے راستے ہی سے پہنچ سکتے ہیں۔

شیخ سعدی کی ایک حکایت

مرسلہ: شمائلہ برلاس، ڈیرہ اسماعیل خاں

مصر میں امیر گھرانے کے دو لڑکے تھے۔ ایک نے علم حاصل کیا اور دوسرے نے دولت جمع کی۔ جس نے علم حاصل کیا وہ بہت بڑا عالم بنا اور جس نے دولت جمع کی وہ مصر کا وزیر ہو گیا۔ مال دار وزیر اپنے عالم بھائی کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ ایک بار اس نے کہا، "مجھے دیکھ! میں تو وزیر کے مرتبے پر پہنچ گیا اور تُو وہی فقیر کا فقیر رہا۔"

عالم نے جواب دیا، "اللہ کی نعمت کا شکر کرنا میرے اوپر زیادہ واجب ہے کہ میں نے پیغمبروں کی میراث پائی یعنی علم۔ اور تُو نے فرعون کی یعنی ملک مصر۔ میری حیثیت ایک چیونٹی کی ہے جس کو لوگ پیر کے نیچے مَسل دیتے ہیں نہ کہ بھڑ کی جس کے ڈنک سے لوگ روتے ہیں۔ بھلا میں اس نعمت کا شکر کیسے ادا نہ کروں کہ مجھ میں لوگوں کو ستانے کی طاقت نہیں۔

خواہشات

مرسلہ: کامران بلوچ صنم، اوکاڑہ

ہماری سب سے بڑی دشمن ہماری خواہشات ہیں جو ہمیں اپنی تکمیل کے لیے ہر جائز اور ناجائز کام کرنے پر اُکساتی ہیں۔ ہم انھیں پورا کرنے کے لیے زندگی بھر دھکے کھاتے ہیں مگر خواہشات کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی خواہشات کو محدود کر کے آسانیاں حاصل کریں۔

زندگی

مرسلہ: غوث بخش سراج، لیتی

زندگی ایک پودے کی طرح ہے جس کے پھول تو راحت دیتے ہیں لیکن کانٹے اذیت دینے سے باز نہیں آتے ہیں۔ زندگی ایک بانسری کی طرح ہے جس سے بہ یک وقت خوشی کے اور غم کے نغمے پھوٹتے ہیں۔ زندگی ایسے احساس کی طرح ہے جو کہ خوشی کے ساتھ ساتھ غم کا بحرِ بیکراں لے کر آتی ہے۔

گدھے کی بات

مرسلہ: سیدہ ریما اسحاق، کراچی

ایک صاحب دفتر سے گھبرائے ہوئے گھر واپس آئے اور اپنی بیگم سے کہا:

"بیگم! میں دفتر سے گھر واپس آرہا تھا کہ راستے میں ایک گدھا...."

اتنے میں ان کی بچّی بولی:

"امّی! ثمینہ نے میری گڑیا توڑ دی۔"

"اچھا بیٹی! ہم تمھیں دوسری گڑیا دِلا دیں گے۔"

"ہاں تو بیگم میں کہہ رہا تھا کہ راستے میں ایک گدھا...."

اتنے میں اُن کا بچّہ بولا:

"امّی! امّی! گڈو نے مارا ہے۔"

"ارے کم بختو! چُپ ہو جاؤ۔ مجھے گدھے کی بات سننے دو۔"

انسان کو چاہیے کہ وہ قبول کرے

مرسلہ: فیصل احمد عباسی، جھنگ صدر

- نصیحت کی بات چاہے کڑوی ہو۔
- بھائی کا عذر چاہے دل نہ مانے۔
- اپنی غلطی چاہے ذِلّت ہو۔
- غریب کی دعوت چاہے تکلیف ہو۔
- دوست کا تحفہ چاہے حقیر ہو۔
- ماں باپ کا حکم چاہے ناگوار ہو۔

پانچ کرنیں

مرسلہ: زینب عباسی، کراچی

- اتنا اونچا مت اُڑو کہ سورج کی گرم شعاعیں تم کو پگھلا دیں اور تم ایک بے جان جسم کی مانند زمین پر آ گرو۔
- بزدل کے آگے کنکر ایک پہاڑ کی طرح ہے اور بہادر کے آگے پہاڑ ایک کنکر کی حیثیت رکھتا ہے۔
- دولت مند بننے کے لیے سچائی اور ایمان داری بہترین ذریعہ ہیں۔
- اخلاق یہ ہے کہ انسان اپنی نیکی کا معاوضہ نہ چاہے۔

انٹرویو

مرسلہ: محمد اقبال چنا، خیرپور میرس

کمپنی کے منیجر صاحب تھکے ہوئے تھے۔ وہ تنگ آچکے تھے۔ صبح سے اس وقت تک وہ کتنے اُمیدواروں

سے انٹرویو لے چکے تھے، مگر ان میں سے ایک بھی موزوں نہ نکلا۔ سب ایک جیسے احمق، عقل سے کورے اور تجربے سے خالی تھے۔ جب اللہ اللہ کر کے ملاقاتوں کا سلسلہ ختم ہوا تو مینیجر صاحب آرام کرسی پر نیم دراز ہو گئے۔ اچانک ایک بار پھر دروازہ کھلا اور ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ مینیجر نے دِل ہی دل میں کہا، "لو ایک اور بے وقوف آ گیا۔"

اُس نوجوان نے مینیجر سے کہا، "جناب معاف کیجیے گا....."

مینیجر: "یہ بتاؤ کہ تم میٹرک پاس ہو یا نہیں؟"

نوجوان: "نہیں جناب، لیکن میں....."

"اچھا شارٹ ہینڈ اور ٹائپ کرنا جانتے ہو؟" مینیجر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

نوجوان: "نہیں جناب، مگر آپ میری بات....."

مینیجر: "نکل جاؤ فوراً میرے کمرے سے۔"

"جناب نکل جاؤں گا۔ پہلے میں آپ کا ٹیلے فون تو ٹھیک کر دوں۔ مجھے تو اسے ٹھیک کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔"

نوجوان نے معصومیت سے جواب دیا۔

چار باتیں

مرسلہ: عظمیٰ تسنیم، کراچی

تحفہ

اپنے دوست کو ایسا تحفہ بھیجیے جس سے دو چیزیں واضح ہوں، ایک تو آپ کا خلوص دوسرے آپ کا ذوق۔

بہترین دوست

اگر ایک بہترین دوست سو بار بھی روٹھ جائے تو اسے سو بار منا لو، کیوں کہ موتیوں کی مالا جتنی بار بھی ٹوٹتی ہے موتی اتنی ہی بار چُن لیے جاتے ہیں۔

نصیحت

زندگی کے ہر حصّے میں یہ بات یاد رکھنا کہ رازدار دوست بن کر دوسروں کے دُکھ بٹانے کی کوشش کرنا لیکن کسی کو رازدار بنانے کی کبھی کوشش نہ کرنا۔

دوستی

دوستی تمام جذبوں سے پاکیزہ جذبہ ہے۔ اچھے دوست کی مثال پھول کی طرح ہے جو دوسروں کو اپنی خوش بُو سے مُعطّر اور تر و تازہ رکھتا ہے۔ اچھے دوست زندگی کا بہترین سرمایہ ہوتے ہیں۔

غصّہ

مرسلہ: کاشفہ سلام، کراچی

- اگر تمھارا غصّہ تمھارا دل اور دماغ برداشت کر سکتا ہے تو یہ رُعب و اَدب ہے۔
- اگر غصّہ تمھاری زبان برداشت کر سکتی ہے تو وہ تمھاری وکیل ہے۔
- اگر غصّہ تمھارا جسم برداشت کر سکتا ہے تو وہ جنگ و جدل ہے۔
- اور اگر غصّہ اس سے بڑھ کر ہے تو وہ غصّہ نہیں تماشا ہے۔

چاند نکلا تو چاندنی پھیلی
سارے عالم میں روشنی پھیلی

اور ستارے بھی جگمگاتے ہیں
وہ بھی اپنی دمک دکھاتے ہیں

صبح صورت دکھائی سورج نے
اپنی مشعل جلائی سورج نے

سب یہ قدرت مرے خدا کی ہے
جس نے ان سب کو روشنی دی ہے

اُس نے انساں مجھے بنایا ہے
علم کے نُور سے سجایا ہے

یہ ستارے یہ سورج اور یہ چاند
علم کے سامنے ہیں سب یہ ماند

مشعلِ علم میں جلاؤں گا
اس سے دنیا کو جگمگاؤں گا

محمد خالد، کراچی

علّامہ اِقبال

اپنی قوم سے حکیم الامت، ترجمانِ حقیقت، مصورِ پاکستان اور شاعرِ مشرق کا خطاب پانے والے پر ہزاروں مضمون لکھے جا چکے ہیں اور لکھے جاتے رہیں گے، کیوں کہ اس مُفکّر نے شاعری کے ذریعہ سے ملّتِ اسلامیہ کی جو خدمت کی ہے وہ کبھی بُھلائی نہ جا سکے گی۔

علّامہ اقبال نے قیامِ پاکستان کے لیے مسلمانانِ ہند میں یہ احساس بیدار کیا کہ مسلمانوں کی ایک ایسی مملکت ہونی چاہیے جس میں مسلمان آزادی سے اسلامی تعلیمات پر عمل کر سکیں۔

خطبۂ الہ آباد میں آپ نے برّصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کا تصوّر پیش کیا تھا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ متحدہ ہندُستان میں مسلمانوں کا مستقبل محفوظ نہیں۔ یہ خطبہ قیامِ پاکستان کی راہ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

علّامہ اقبال فلسفی، عالم، ماہرِ قانون، مصنّف اور ممتاز سیاست داں تھے۔ لیکن آپ کو جو شہرت شاعری میں ملی وہ کسی اور شعبے میں نصیب نہ ہو سکی۔ علّامہ اقبال کی شہرت کا آغاز انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے سے ہوتا ہے۔ آپ نے اس جلسے میں یتیم بچّوں کے فنڈ کے لیے ایک نظم "نالۂ یتیم" لکھی اور خود ہی پڑھی تھی۔ آپ نے یہ نظم ترنّم کے ساتھ پڑھی تھی۔ نظم سننے والوں کے دل پر اثر کر گئی۔ اس پر آپ کو جو داد ملی وہی آپ کی شہرت کی بُنیاد ہے۔ اس کے بعد ہر سال انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسوں میں آپ نظمیں پڑھتے جس نے ملّتِ اسلامیہ کے سوئے ہوئے ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

علّامہ اقبال اپنے شعروں میں چھوٹے بچّے سے لے کر بڑے سے بڑے آدمی تک کو پیغام

دیتے ہیں۔ وہ ایسا تاثر چھوڑتے ہیں کہ پڑھنے والے پر اس کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ وہ اس انداز میں نصیحت کرتے ہیں کہ دل فوراً ان کی بات مان لیتا ہے۔ وہ حقیقت کی ایسی ترجمانی کرتے ہیں کہ دل کے پردے چاک ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اُن کو پڑھ کر ایسا سُرور آتا ہے جیسے زندگی کا مقصد پالیا ہو۔ دل بے اختیار اُن کے قلم کی حمایت کرنے لگتا ہے عقل اُن کے قلم کی صداقت کو پرکھنے دیر نہیں لگاتی۔

آج کا نوجوان "فلمی ایکٹر" بننے کی کوشش تو ضرور کرتا ہے اور ان کو قومی ہیرو بھی تسلیم کرتا ہے لیکن اپنے بزرگوں کے عکس کو پانے کی ہرگز کوشش نہیں کرتا۔ منزل کو پانے والے نقش تو دیکھ لیتا ہے مگر ان نقش پر چلنے کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ اگر آج ہم اقبال کا عکس پالیں تو کوئی مشکل نہیں کہ ہم اپنے بزرگوں کے کارناموں کو دوبارہ تازہ نہ کرسکیں۔

ہر چند کہ آج اقبال ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کا قیمتی سرمایہ شاعری کی صورت میں آج بھی تروتازہ ہے جو گلستان چمن کی طرح ہے، جس کا ہر شعر تروتازہ پھول ہے، جو مہکی مہکی خوش بُو دیتا ہے اور جس کا ہر مصرع ایک کلی کی طرح ہے۔ یہ سرمایہ آج بھی گلاب کی طرح ہے جس کو پڑھ کر ولولہ، عزم اور جواں مردی کے جذبے پیدا ہوجاتے ہیں۔

بُتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

ڈاکٹر محمد اقبال - ایک عظیم شاعر

عتیق حسن رحمانی عطاء اللہ کراچی

اقبال کا مقام ایک شاعر کی حیثیت سے اس قدر بلند ہے کہ انھیں اسلامی دنیا کا ایک عظیم شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور ساری دنیا میں عزّت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعر تھے۔ ان کا کلام دنیا کی کئی زبانوں میں شائع ہو کر بے انتہا مقبولیت حاصل کرچکا ہے۔

علامہ اقبال نے شاعری کے پرانے تصوّر کو ختم کرکے مقصدی شاعری کو اپنایا اس شاعری کا اثر اس وقت کے مسلمانوں پر بھی پڑا۔ اس وقت برّصغیر کے مسلمانوں کی بہت بُری حالت تھی۔ ان میں وہ روح ختم ہوتی جارہی تھی جو ایک مسلمان میں ہونی چاہیے۔ اقبال نے جب

ان حالات پر غور کیا تو وہ بے تاب ہو گئے اور ان کی یہی بے تابی مقصدی شاعری کے روپ میں ظاہر ہوئی۔ چناں چہ انھوں نے شعر و سخن میں اسلام کی اہمیت اور مسلمانوں کی اصل حیثیت کا پیغام دینا شروع کر دیا۔

اقبال نے بچّوں کے ذہنی معیار اور رجحان کو ذہن میں رکھتے ہوئے کئی نظمیں خاص طور پر بچّوں کے لیے لکھیں۔ ان میں انھوں نے بچّوں کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ نظم "ایک مکڑا اور مکھی" میں خوشامد کرنے والے کا انجام بتایا ہے۔ "پہاڑ اور گلہری" میں گھمنڈ، غرور اور بڑائی سے منع کیا ہے۔

نظم "گائے اور بکری" میں اقبال نے بچّوں کو یہ سبق دیا ہے کہ جب تم کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ تو شکایت نہ کرو اور اس کو دیکھو جو تم سے زیادہ پریشان ہے۔ بچّوں کے لیے ایک نظم "پرندے کی فریاد" میں ایک بے زبان مخلوق کی التجا ہے۔ نظم "ماں کا خواب" بھی بچّوں کے لیے لکھی گئی بہترین نظم ہے۔ بچّوں کے اندر خدمتِ خلق کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے اقبال نے نظم "ہمدردی" لکھی۔

ڈاکٹر محمد اقبال کی نظم "بچّے کی دُعا" واقعی ایک دُعا ہے۔ یہ دعا آج بھی ملک کے ہر بچّے کی زبان پر ہے:

بچّے کی دُعا

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خُدایا میری

دُور دنیا کا مرے دَم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

ہو میرے دَم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبّت یارب

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبّت کرنا

مرے اللہ بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس راہ پہ چلانا مجھ کو

طعنہ

مجیب ظفر انوار

اس روز باجی کی شادی تھی۔ شہر کے بیچ میں ایک پُر رونق شاہراہ پر ایک خوب صورت اور مہنگا شادی ہال تھا۔ ہم نے باجی کی شادی کے لیے وہی ہال لیا تھا۔ شادی ہال کی خوب صورتی کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ خوب صورت عمارت پر خوب صورت انداز میں سجے ہوئے رنگ برنگے قمقموں عجیب بہار دِکھا رہے تھے۔

دراصل یہ مہنگا شادی ہال ہم گھر والوں نے جان بوجھ کر لیا تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ رشتے داروں اور دولھا والوں میں ہماری ناک اونچی رہے۔ اس خوب صورت شادی ہال کے تین طرف تو اونچی اونچی عمارتیں تھیں مگر چوتھی طرف تھوڑے سے فاصلے پر جُھگیوں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اس میں مزدور رہا کرتے تھے۔ یہ وہ مزدور تھے جو دن میں اس علاقے میں تعمیر ہونے والی عمارتوں میں کام کرتے تھے۔ ان کے پورے پورے گھر یہاں آباد تھے اور سب لوگ میاں، بیوی، بچے سب کام کرتے تھے۔ اس طرح اس نئے تعمیر ہونے والے علاقے کے ایک طرف ایک بدبودار اور گندی سی بستی آباد ہو گئی۔

بس یہی ایک چیز تھی جو ہم سب گھر والوں کو شادی ہال کی خوب صورتی پر کلنک کے ٹیکے کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ ہمارے دل میں یہ بات برابر کھٹک رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دولھا والے ہمیں جھگیوں والی آبادی کے قریب شادی ہال لینے کا طعنہ دیں، لیکن کیا کریں مجبوری تھی۔ شہر کے تمام خوب صورت علاقوں والے شادی ہال پہلے ہی بُک ہو چکے تھے۔

رات کے پونے گیارہ بجے تھے۔ باجی اپنی سہیلیوں کے ساتھ ایک مشہور و معروف بیوٹی پارلر سے جدید میک اپ کرا کے ہال میں آ چکی تھیں۔ اب ہم سب کو برات کا انتظار تھا۔

اتنے میں ایک آواز آئی:

"اجی آخر یہ برات کہاں رہ گئی؟ انتظار کرتے کرتے ہم تو تھک گئے ہیں۔"

"میرے تو پرفیوم کی ساری مہک اُڑ گئی۔ اللہ جانے یہ برات کہاں اٹک گئی۔"

دوسری آواز نے کہا۔

ہال کے باہر تیز روشنیاں جگ مگ جگ مگ کر رہی تھیں اور اندر خوش بوؤں کا ایک طوفان تھا۔ شہر کے معزز حضرات کی بیگمات قیمتی لباس پہنے اور اصلی جواہرات کے زیور سجائے وہاں موجود تھیں۔ شادی ہال کے پچھلے حصّے میں کھانے کا انتظام تھا۔

ہمیں دن رات جاگتے ہوئے آج چوتھا دن تھا۔ پہلے دن مایوں کی رسم ہوئی۔ دوسرے دن مہندی آئی۔ تیسرے دن مہندی گئی اور آج شادی کا دن تھا۔ اللہ اللہ کر کے پونے بارہ بجے برات آئی۔ پچیس تیس چمکتی دمکتی کاروں کا ایک قافلہ تھا۔ ان کاروں کے درمیان ایک کار دولھا کی تھی۔ یہ دولھا کچھ دیر بعد میری باجی کو لے جائے گا۔ یہ سوچ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ باجی کی جُدائی کے تصوّر سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ دولھا کے پاس ہم سے زیادہ اچھی اور قیمتی کار تھی۔

برات کے آنے کے ساتھ ہی سب لوگ اندر آ کر بیٹھ گئے۔ ان کی ہر ہر حرکت کی فلم بن رہی تھی۔ نکاح کے بعد سب مہمان کھانے کے لیے ہال کے اس حصّے میں آ گئے جہاں سبز مخملی گھاس پر پھولوں کی کیاریوں کے درمیان کھانے کا انتظام تھا۔ کھانا شروع ہو گیا۔

بیرے گرم گرم ڈشیں لا رہے تھے۔ اور ہمیں یہ فکر تھی کہ کہیں ہمیں دولہا والے ٹھنڈا کھانا کھلانے کا طعنہ نہ دے دیں۔ مجھے یاد آیا کہ میرے دوست گڈّو کے بھائی کی شادی میں پہلے مردوں نے کھانا کھایا تھا پھر عورتوں نے۔ مگر یہاں سب ایک ساتھ کھا رہے تھے۔ کھانا بھی ہم نے ضرورت سے بہت زیادہ پکوا لیا تھا کہ کہیں دولہا والے ہمیں کھانا کم پڑ جانے کا طعنہ نہ دے دیں۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

کھانے کے بعد رخصتی ہوئی اور دولہا میاں ہماری باجی کو اپنی کار میں بٹھا کر لے گئے۔ اب ہم سب بھی واپس لوٹنے کو تیار ہو گئے۔ اتنے میں باورچی نے آکر اطلاع دی کہ کھانا بہت بچ گیا ہے۔ آپ لوگ ساتھ لیتے جائیں۔ یہ سُن کر ڈیڈی نے انکار کر دیا۔ ان کی بات بھی صحیح تھی۔ اگر دولہا والوں کو معلوم ہو جاتا تو وہ ہمیں یہ طعنہ دیتے کہ لڑکی والوں نے شادی کا بچا ہوا کھانا اپنے گھر لے جا کر کھایا۔

"صاحب! پھر ایسا کریں کہ یہ کھانا کسی ہوٹل میں دے دیں۔" باورچی نے کہا۔ یہ سُن کر ڈیڈی نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور بولے، "رات کے ڈھائی بجے ہوٹلوں کا کُھلا رہنا تو ممکن نہیں .... ارے .... ہاں کیوں نہ یہ کھانا ان جُھگّی والوں میں بانٹ دیں۔"

بھائی جانی بولے، "ویری گڈ ڈیڈی، یہ بہترین آئیڈیا ہے۔ اس طرح دولہا والوں پر ہماری دھاک بھی قائم رہے گی۔"

"جو کچھ کرنا ہے جلدی کریں۔ پہلے ہی میں بہت تھک چکی ہوں۔" ممّی نے اپنے بُندے اُتار کر پرس میں ڈالتے ہوئے کہا۔

ڈیڈی نے کہا، "ٹھیک ہے کھانا ان جُھگّیوں میں تقسیم کر دو۔ سمجھ میں نہیں آتا آخر اتنا کھانا بچ کس طرح گیا؟"

اور پھر بھائی جانی کو کھانا تقسیم کرنے کا حکم ہوا۔ ہمارے پیٹ پوری طرح بھرے ہوئے تھے اور آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ بھائی جانی نے کسی نہ کسی طرح کار کی ڈگی میں دیگیں رکھوائیں اور مجھے ساتھ بٹھا کر روانہ ہوئے۔

جھگیوں والی آبادی پر قبرستان کی سی خاموشی طاری تھی۔ سب لوگ سو رہے تھے۔ بھائی جانی نے تین چار زور دار ہارن دیے۔ ذرا سی دیر بعد اندھیری جھگیوں میں زندگی

کی روشنی دوڑ چکی تھی۔

ہر شخص یہ کوشش کر رہا تھا کہ وہ پہلے اور زیادہ کھانا لے لے۔ بھائی جان اس صورتِ حال سے پریشان ہو چکے تھے مگر ناک کا معاملہ تھا۔ لہٰذا چُپ رہے۔

اب کھانا بھی ختم ہونے والا تھا اور نیند کے مارے ہماری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ کھانا تقسیم کر کے ہم واپس چلنے والے تھے کہ اتنے میں ایک کالا کلوٹا سا بچہ جس کی حالت بہت ہی بُری تھی بھاگتا ہوا ہماری طرف آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹوٹا پھوٹا سا برتن تھا۔ اس نے برتن بھائی جان کے آگے کرتے ہوئے کہا، "شکر ہے جی تم آگئے۔ میرے کو تو بھوک میں نیند بھی نہیں آ رہی تھی صاحب جی۔" ہم یہ سوچ رہے تھے کہ یہ کیسا طعنہ ہے۔

حیرت ہے کہ

ریت کے ذرّے اگر بڑی تعداد میں کسی خطۂ اراضی پر جمع ہو جائیں تو اسے ریگستان بنا دیتے ہیں اور پانی کے قطرے اس تعداد میں کہیں جمع ہو جائیں تو سیلاب بن کر بہہ نکلتے ہیں۔

سارے بچّوں کی پہلی پسند!

گارنٹی کے ساتھ پینسل کی نوک نہیں توڑتے

انڈس شارپنر

پیار نگر

شازیہ فرحین، کراچی

پہاڑوں کے دامن سے سورج نے جھانکنا شروع کر دیا تھا۔ تمام چرند پرند اللہ کی حمد و ثنا سے فارغ ہو چکے تھے۔ رات کی سیاہی مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی۔ ننھے تارے اپنے گھروں کو جا چکے تھے اور سورج کی روپہلی کرنوں نے اپنا جلوہ دکھانا شروع کر دیا۔ ہر طرف قدرت کے حسین جلوے دکھائی دیتے تھے۔ مگر بی کوئل ایک سوکھی ٹہنی پر اُداس سی بیٹھی ہوئی تھیں۔

اچانک میاں کوّے بھی کائیں کائیں کرتے ہوئے کوئل کے پاس آ بیٹھے اور اس سے اُداسی کی وجہ پوچھی۔ بی کوئل نے ایک سرد آہ بھری اور کہنے لگیں، "اب کیا تمھیں بتاؤں۔ بس رہنے ہی دو۔"

کوّے نے کہا، "کچھ تو بتا ہی دو۔ میں دیکھ رہا ہوں جب سے تم مندھرا کے جنگل میں اپنی بہن سے مل کر آئی ہو بڑی اُداس نظر آتی ہو۔ نہ میں نے تمھیں زندہ دلی سے چہچہاتے دیکھا اور نہ ہنس کر کسی سے بات کرتے دیکھا۔ کچھ تو بتاؤ کہ ماجرا کیا ہے؟"

بی کوئل نے جب میاں کوّے کا بڑھتا ہوا اصرار دیکھا تو کہنے لگیں، "بھائی کوّے! میں دیکھتی ہوں کہ ہمارے جنگل میں کوئی رنگینی نہیں ہے۔ اُدھر مندھرا جنگل کے تمام جانور آپس میں اتنی محبت سے رہتے ہیں کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ کتا اور بلی ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں۔ وہاں آئے دن ایسی محفلیں منعقد ہوتی ہیں کہ جی خوش ہو جاتا ہے۔ ایک ہمارا جنگل ہے۔ نہ پیار نہ محبت اور نہ خلوص۔ یہ بھی کوئی جنگل ہے۔ ہر ایک کا آپس میں جھگڑا۔ اِدھر بلّی لومڑی سے لڑ رہی ہے تو اُدھر توتا مینا سے۔ ہر جگہ انسانوں کی بستی کی طرح دنگا فساد اور اختلاف۔ یہ بھی کوئی جگہ ہے۔ اب مجھے ہی دیکھ لو۔ میں چڑیا سے جلتی ہوں اور وہ مجھ سے۔ کوئی مندھرا جنگل جا کر وہاں کا پیار محبت دیکھے۔

میاں کوّے جو بڑی توجہ سے بی کوئل کی باتیں سُن رہے تھے جھٹ سے بول پڑے، "تو بہن! آپ کی اُداسی کی وجہ یہ ہے۔" بی کوئل نے اپنا سر ہلاتے ہوئے اقرار کیا تو کوّے

میاں کہنے لگے:

"بہن! میرا بھی بڑا دل چاہتا ہے کہ ہم سب پیار محبّت سے رہیں۔ ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہوں مگر یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب سب کے آپس کے اختلاف ختم ہو جائیں۔ بہن میں تو کہتا ہوں کہ ہم سب کو اپنی اپنی کوشش بھی ضرور کرنی چاہیے۔ ہم پہلے خود اپنے اختلافات ختم کریں اور پھر دوسروں کو سمجھائیں اور اس طرح جنگل میں پیار کے رنگ بکھیر دیں۔ کیوں نہ ہم ابھی سے پہل کریں۔"

کوّے کی تجویز سُن کر بی کوئل نے کچھ سوچا اور پھر پوچھا، "مگر یہ کس طرح ہو گا؟"

"وہ ایسے کہ پہلے آپ اپنا ہی اختلاف دُور کریں اور چڑیا کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔" کوّے میاں بولے۔

"نہ بھیّا! وہ تو ہمیشہ میری آواز سے جلتی ہیں۔ آواز تو ان کی بھی اچھی ہے، مگر نہ جانے کیوں انھیں تو مجھ سے اللہ واسطے کا بیر ہے۔"

کوّے نے سمجھاتے ہوئے کہا، "بہن! ابھی تو تم خود ہی کہہ رہی تھیں کہ تم پیار محبّت پسند کرتی ہو۔ یہ دراصل اختلافات ہی ہیں جو تم دونوں کے درمیان ہیں۔ یہیں سے تو لڑائی شروع ہوتی ہے۔ وہ تم سے جلتی ہے اور تم اُس سے۔ آج میں تم دونوں کی دوستی کرا دیتا ہوں۔ اگر اس جنگل میں رونقیں دیکھنے کی خواہش مند ہو تو چھوٹی چھوٹی غلط فہمیوں کو دُور کرنا ہو گا۔"

بی کوئل پہلے تو سوچ میں پڑ گئیں، مگر پھر مندھرا جنگل کے رہنے والوں کی محبّت کو یاد کر کے ان کا دل پسیج گیا اور کہنے لگیں، "اچھا بھائی! پھر تم ہی کوئی راہ ہموار کرو۔"

کوّے میاں پھٹ سے بولے، "ارے، میں تو کہتا ہوں کہ تم ابھی میرے ساتھ بی چڑیا کے گھر چلو اور ہاں ساتھ اُلّو خالو کو بھی لے چلتے ہیں۔"

بی کوئل نے کوّے میاں کی اس تجویز کو پسند کیا اور دونوں اُلّو خالو کو ساتھ لے کر چڑیا کے گھر جا پہنچے۔

چڑیا نے جیسے ہی بی کوئل کو دیکھا تو کہنے لگیں، "آج معلوم ہوتا ہے کہ سورج مغرب سے نکلا ہے۔"

اُلّو خالو نے بی چڑیا کو روکھے منھ سے یہ کہتے دیکھا تو بولے، "بھئی، سورج مشرق سے نکلے یا مغرب سے، صبح تو ہو گی ہی۔ اسی طرح بی کوئل تمھارے گھر آئیں یا تم ان کے گھر جاؤ دوستی تو ہو گی ہی، چاہے پہل کہیں سے بھی ہو۔ دیکھو، غلط فہمیاں رکھنا اور لڑائیاں کرنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے نا۔ ہم تو سیدھے سادھے اور پیار کے بھوکے ہیں۔ اب ہم اس جنگل کو ایسا پیار دیں گے اس میں ایسے رنگ بھریں گے کہ مندھرا جنگل کو بھی پیچھے چھوڑ دیں گے۔"

چڑیا نے جب اُلّو خالو کی باتیں سُنیں تو اس کا دل بھر آیا اور اس نے آگے بڑھ کر بی کوئل کو گلے لگا لیا۔ برسوں کی محبت ایک بار پھر اُمڈ آئی اور دونوں کے اختلافات دُور ہو گئے۔

اب میاں کبّے کہنے لگے، "بہن کوئل اور بی چڑیا کا جھگڑا تو ختم ہوا۔ اب ہم سب مل کر جنگل کے دوسرے جانوروں کے اختلافات بھی دُور کراتے ہیں۔"

کوّے میاں کی اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور یہ پوری ٹولی ہنستی مسکراتی سب کے گھر جاتی، ان سے بات چیت کرتی، انھیں سمجھاتی اور ان کے اختلافات ختم کرا کے ان کی دوستی کرا دیتی۔

کوّے میاں کی تجویز پر سب جانوروں نے اس جنگل کا نام پیار نگر رکھ دیا۔ اب جنگل میں سکون ہی سکون رہنے لگا۔ ہر طرف قہقہے گونجنے لگے۔ ہر جگہ سے جانوروں کی ٹولیاں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بھاگتی دوڑتی نظر آتیں۔

اب اس جنگل میں بھی محفلیں منعقد ہونے لگی تھیں۔ بی چڑیا اور بی کوئل نے مشاعرے کی محفل منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ محفل اُلّو خالو کے گھر کے باہر منعقد ہوئی۔

آج جب سورج کی پہلی کرن جگ مگائی تو تمام جانوروں نے آنا شروع کر دیا۔ جنگل کا بادشاہ بھی اس محفل میں آیا۔ تمام جانور اپنی اپنی جگہ پر موجود تھے۔ درمیان میں ایک مسند تھی جسے اُلّو خالو اور بی لومڑی نے بڑی محنت سے سجایا تھا۔

تقریب کا آغاز بی کوئل نے کیا اور اپنا کلام پیش کیا۔

ہمارا تمھارا خدا بادشاہ
پیار نگر کا شیر بادشاہ

سب جانوروں نے بی کوئل کے شعر کو خوب پسند کیا۔ پھر بی لومڑی نے اپنے چشمے کو صاف کر کے پہنا اور اشعار پڑھنا شروع کیے۔

چکنی چپڑی باتوں سے بچ کر سب کو رہنا ہے
یہی تو میری فطرت ہے یہی تو سب سے کہنا ہے

سب نے بی لومڑی کے اشعار پر خوب داد دی۔ اُلّو خالو سے رہا نہ گیا، فوراً بول پڑے، "اپنے منھ سے اپنی تعریف کر دی، چلو یہ بھی خوب رہی۔" تمام جانوروں نے خوب قہقہے لگائے۔ اب فاختہ بیگم اپنے پَر پھیلائے ہاتھ میں امن کا سفید جھنڈا لہراتی ہوئی مسند پر تشریف لائیں اور یہ اشعار پڑھے:

پیار نگر کی محفل یہ کتنی اچھی لگتی ہے
باہم سب کی یہ اُلفت کتنی پیاری لگتی ہے

سب نے پیار محبّت کے ان اشعار پر خوب واہ وا کی۔

اب باری تھی اُلّو خالو کی۔ انھوں نے اپنے اشعار ترنّم سے پڑھے:

ہم پیار محبّت کرتے ہیں　　ہم سب پر جان چھڑکتے ہیں
لڑتے ہیں نہ جھگڑتے ہیں　　ہم پیار نگر میں رہتے ہیں

اب چوہے میاں کی باری تھی۔ انھوں نے اپنے اشعار پھُدک پھُدک کر پڑھے:

مانا قد کے چھوٹے ہیں　　پر کب دل کے کھوٹے ہیں
پیار کی پیاس کو روتے ہیں　　بلّی کے پیٹ پوتے ہیں

اب خرگوش صاحب ہاتھ میں مولی لیے تشریف لائے، اشعار کا پرچا کھولا اور شروع ہو گئے:

گاجر مولی کھاتا ہوں　　مالک کے گُن گاتا ہوں

پیار نگر میں آتا ہوں　　اپنے شعر سُناتا ہوں

ان کے کلام پر سب خوب ہنسے اور بڑی داد دی۔ اب توتے میاں جو بڑی بے چینی سے اپنی باری کے منتظر تھے جھٹ سے مسند پر آبیٹھے اور ٹیں ٹیں کرتے ہوئے بولے:

ٹیں ٹیں کرنا کام ہے میرا　　چُوری کھانا عام ہے میرا
توتا چشمی کام ہے میرا　　مٹھو توتا نام ہے میرا

سب سے آخر میں جنگل کا بادشاہ۔ ببر شیر مسند پر آبیٹھا۔ سب نے زور دار تالیوں سے اس کا استقبال کیا۔ شیر ببر نے ہاتھ ہلا کر سب کا شکریہ ادا کیا اور یہ اشعار پڑھے:

جنگل کا یہ پیارا منظر　　ایسا مجھ کو بھایا ہے
جیسے پیار ہی پیار ہے بکھرا　　سب پر پیار کا سایہ ہے

اس کے بعد اُلو خالو نے کھانے پینے سے سب کی تواضع کی۔

ٹھنڈے خون والے جانور

سانپ اور چھپکلیاں عام طور سے گرم ملکوں میں رہتے ہیں۔ رینگنے والے ان جانوروں کو گرم علاقے کیوں پسند ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا خون ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کا خون مکمل طور پر ٹھنڈا ہوتا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جانور پرندوں اور دوسرے دودھ پلانے والے جانوروں کی طرح اپنے آپ کو گرم نہیں رکھ سکتے۔ رینگنے والے جانوروں کے جسم کی حرارت صرف ان کے آس پاس کی حرارت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر یہ گرم ہے تو وہ حرکت میں رہتے ہیں لیکن اگر یہ ٹھنڈی ہے تو وہ سست اور کاہل نظر آتے ہیں۔ برطانیہ جیسے ٹھنڈے ممالک میں سانپ اور چھپکلیاں گرم مقام کی تلاش کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی چٹان، باغ کی دیوار وغیرہ جو سورج کی روشنی سے گرم ہو گئی ہو۔ یہ جانور وہاں جاکر اس جگہ سے لپٹ جاتے ہیں جیسے جیسے موسم ٹھنڈا ہونا شروع ہوتا ہے یہ طویل نیند سو جاتے ہیں۔

آبی جانور جیسے قسم قسم کے مینڈک اور مچھلیاں وغیرہ ٹھنڈے خون والے جانوروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

پیار کا چراغ

ابرار محسن

گونڈو ایک ڈاکو تھا۔ انتہائی خوف ناک اور بے رحم۔ انسانی کھال میں ایک خونخوار بھیڑیا۔ دُور دُور کے قبیلے والے اس کا نام سُن کر کانپ جایا کرتے تھے۔ اس کا دیو جیسا لمبا چوڑا جسم تھا اور اس کا چہرہ بھی بہت ڈراؤنا تھا۔ اس کا ایک بڑا طاقت ور گروہ تھا، جس کے ساتھ وہ دُور دُور کے گاؤں کو لُوٹا کرتا تھا۔ جنگلوں میں اسی کی حکومت تھی۔ اس کا بھالا موت کا نشان تھا۔ اچانک ہی وہ جنگلوں سے نکل کر کسی بھی بستی پر آپڑتا اور وہ اور اس کا گروہ بستی کو لوٹ کر بستی والوں کو قتل یا زخمی کر کے پھر جنگلوں میں چلا جاتا۔ گاؤں والے اس کے سامنے بے بس تھے۔ وہ گونڈو کے گروہ کے مقابلے میں بہت کم زور تھے۔ کچھ دِنوں بعد تو یہ حالت ہو گئی کہ گونڈو کی آس پاس موجودگی کی جھوٹی خبر سُن کر ہی گاؤں والے اپنے گاؤں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ برسوں تک یہی ہوتا رہا۔ گونڈو اپنے گروہ کے ساتھ جس گاؤں کی طرف جاتا اُسے ویران ہی پاتا۔ نہ اُس میں کوئی چراغ روشن ملتا اور نہ کوئی انسان ملتا۔ اسے یہ سوچ کر خوشی بھی ہوتی تھی کہ لوگ اس سے اس قدر خوف کھاتے تھے۔

وہ فخر سے سینہ پُھلا کر کہتا، "ہر طرف میری ہی حکم رانی ہے۔ میں ہی ان علاقوں کا شہنشاہ ہوں۔ میں ایک ایسا طوفان ہوں جس کے آنے سے پہلے ہی بستیاں ویران ہو

جاتی ہیں۔"

ایک اندھیری رات تھی۔ گونڈو اور اس کے ساتھی ایک گاؤں میں داخل ہوئے۔ وہ گاؤں بھی ویران اور اندھیرا تھا۔ شاید وہاں کے کتّے بھی گاؤں والوں کے ساتھ ہی چلے گئے تھے۔ انھوں نے ٹھیر کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ مشعلوں کی روشنی میں ان کے بھالوں کی نوکیں چمک رہی تھیں۔ پھر انھوں نے جھونپڑیوں کو لُوٹ کر انھیں آگ لگانا شروع کر دی۔ گھاس کے جھونپڑے دھڑا دھڑ جلنے لگے۔ گونڈو کے ڈراؤنے قہقہے فضا میں گونج رہے تھے۔ اچانک ہی وہ خاموش ہو گیا۔

ڈاکوؤں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں سامنے اندھیرے میں ایک طرف کسی چیز کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

ایک ڈاکو نے حیرت سے سوال کیا، "کیا بات ہے سردار؟"

گونڈو پھر بھی خاموش رہا۔ مشعلوں کی روشنی میں اس کی آنکھیں انگارے برسا رہی تھیں۔

"وہ دیکھ رہے ہو؟" اس نے بھاری آواز میں کہا اور سامنے اُنگلی اُٹھا دی۔

اب انھوں نے دیکھا۔ وہ روشنی کا ایک دھبّا سا تھا۔ ڈاکو ایک ساتھ بولے:

"روشنی ہے۔ شاید کسی جھونپڑی میں چراغ جل رہا ہے۔" گونڈو کا چہرہ اور بھی خونخوار ہو گیا۔

"کون ہے وہ جس نے گونڈو کے راستے میں چراغ جلانے کی ہمت کی ہے؟ میں جس طرف بھی نکل جاتا ہوں، بجھے ہوئے چراغ ہی ملتے ہیں۔ اس روشن چراغ کا مطلب ہے کہ کوئی ایسا ضرور ہے جو مجھ سے خوف زدہ نہیں ہے۔ بہت دِنوں سے مجھے کوئی ایسا نہیں ملا جو میرا نام سُن کر سنسنی کانپ اُٹھتا ہو۔ کس کی اتنی مجال ہے جو گونڈو کے سامنے چراغ جلا کر بیٹھا ہے؟"

ڈاکو بولے، "ہم ابھی جا کر اس گستاخ کا کام تمام کر دیں؟"

گونڈو نے سختی سے کہا، "نہیں، تم سب یہیں ٹھیرو۔ چراغ جلانے والے نے گونڈو کو للکارا ہے۔ وہ یقیناً بڑا بہادر ہی ہو گا۔ بہت دِنوں سے خواہش تھی کہ کسی بہادر کے

ساتھ بھالا آزمائی ہو۔ میں اکیلا ہی جاؤں گا۔"

جب گونڈو اس جھونپڑی کے قریب پہنچا جس میں ایک چراغ جل رہا تھا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جھونپڑی میں ایک بیمار عورت چٹائی پر پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے پاس ہی ایک چھوٹی سی عمر کا لڑکا بیٹھا ہوا ہے۔

عورت کہہ رہی تھی: "تمام گاؤں والے جان بچا کر بھاگ چکے ہیں۔ تُو بھی چلا جا ورنہ گونڈو تجھے مار ڈالے گا۔ وہ بے رحم درندہ ہے میرے بچے۔"

لڑکا بولا: "ماں! تم نے مجھے جنم دیا، اپنا دودھ پلایا، پال پوس کر اتنا بڑا کیا۔ کیا اس کا بدلا یہی ہے کہ میں تمھیں بیمار اور مجبور حالت میں گونڈو کے رحم و کرم پر اکیلا چھوڑ کر چلا جاؤں؟ میں تمھارا بیٹا ہوں ماں، تمھارا خون ہی ان رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ میں ایک چھوٹا سا کم زور لڑکا ہوں، مگر بزدل نہیں۔ اگر وہ بھیڑیا اپنے خونخوار درندوں کے ساتھ اِدھر آنکلا تو میں اکیلا ہی اس سے لڑوں گا۔ میرے مرنے کے بعد ہی وہ تم تک پہنچے گا۔"

گونڈو لڑکے کے الفاظ سُن کر دنگ رہ گیا۔ ابھی تک تو لوگ اس سے گڑگڑا کر

زندگی کی بھیک ہی مانگتے آئے تھے۔ مگر وہ لڑکا.....!

آخر لڑکے میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی تھی۔ گونڈو کو اپنی ماں کی یاد آگئی جو اسے چھوٹا سا چھوڑ کر مر گئی تھی۔ اس کی پیاری پیاری شکل گونڈو کو دُھندلی دُھندلی سی یاد تھی۔ کس طرح وہ خود بھوکی رہ کر اس کا پیٹ بھرتی تھی۔ اور جب وہ بیمار پڑتا تھا تو راتوں کو جاگ جاگ کر اس کی تیمار داری کرتی تھی۔ ایک دن وہ دنیا سے چلی گئی۔ وہ اکیلا رہ گیا۔ پھر رفتہ رفتہ وہ بُرے کام کرنے لگا۔ ایک دن وہ ڈاکو بن گیا۔ چراغوں کو بجھانے والا۔

ماں کی یاد نے اس کے دل کے سیاہ اندھیرے میں ایک چراغ سا جلا دیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر گر پڑے۔ زندگی میں پہلی بار گونڈو کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔ پہلی بار پتھر پگھلا تھا۔

بیمار عورت مسلسل کہے جا رہی تھی:

"بھاگ جا بیٹا، چراغ کی روشنی دیکھ کر گونڈو اسی طرف آجائے گا۔ وہ چراغ کو بجھا دے گا۔"

اچانک گونڈو جھونپڑی کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ ماں اور بیٹے نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔

گونڈو کہنے لگا:

"گھبراؤ نہیں۔ اس چراغ کو بجھانے کی طاقت کسی میں نہیں ہے۔ ہزار گونڈو بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اسے ماں کے پیار نے روشن کیا ہے۔ یہ آندھیوں سے بھی لڑ جائے گا۔ یہ چراغ نہیں سورج ہے۔ اس کی روشنی اندھیروں کو مٹانے کے لیے ہے۔ گاؤں چھوڑ کر جانے کی ضرورت نہیں۔ بے فکری سے رہو۔ گونڈو سے نہ ڈرو۔ وہ تو مر چکا ہے۔ اب اس گاؤں کی طرف کبھی کوئی ڈاکو نہیں آئے گا۔" "مم.... مگر تم کون ہو؟" لڑکے نے پوچھا۔

مگر جواب دینے والا تو جا چکا تھا۔ جھونپڑی کے باہر سناٹا تھا۔ چاروں طرف اندھیرا تھا جس میں وہ چراغ روشنی کے مینار کی طرح روشن تھا۔

اس رات کے بعد سے کسی نے گونڈو اور اس کے گروہ کا نام نہیں سُنا۔

جرمنی کی لوک کہانی

مغرور شہزادی

شمشاد خان

بہت عرصے پہلے کی بات ہے ایک بادشاہ تھا۔ اس کی ایک خوب صورت اور اکلوتی بیٹی تھی۔ اپنی خوب صورتی اور دولت کی وجہ سے وہ بہت مغرور اور گستاخ ہو گئی تھی۔ جب بھی کہیں سے اس کے لیے شادی کا پیغام آتا وہ اُسے ٹھکرا دیتی اور اس کا خوب مذاق اُڑاتی تھی۔

ایک دن بادشاہ نے ایک بڑی دعوت کی اور اس میں شہزادی سے شادی کرنے والے تمام امیدواروں کو بُلایا۔ سب لوگ اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے کرسیوں پر بیٹھ

گئے۔ شہزادی اس دعوت میں اپنی کنیزوں کے ساتھ بڑے مغرورانہ انداز میں آئی۔ وہ جس امیدوار کے پاس سے گزرتی اس کو بڑی حقارت سے دیکھتی۔ جب وہ ایک شہزادے کے پاس پہنچی جو بہت موٹا تھا تو اس نے اپنی کنیزوں سے ہنستے ہوئے کہا، "یہ تو گول ٹب ہے۔" دوسرے اُمیدوار کو دیکھ کر اس نے کہا، "کیسا کھمبے کی طرح لگتا ہے۔" ایک شہزادہ بہت چھوٹا لگا تو اس نے کہا، "ذرا چھوٹو موٹو کو دیکھو۔" ایک نواب بہت گورا تھا، شہزادی نے اس کو سفید چوہا کہا۔ ایک امیر کا رنگ سرخ تھا، اُس نے اسے "مرغ کی کلغی" کہہ کر پکارا۔ اسی طرح وہ ہر اُمیدوار کی بے عزّتی کرتی رہی لیکن وہ ایک بادشاہ کو دیکھ کر تو بہت ہی ہنسی، کیوں کہ اس کے داڑھی تھی۔

اس نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا، "ذرا اسے دیکھو! اس نے چہرے پر کیسی جھاڑ پھوس اُگا رکھی ہے۔"

بادشاہ نے جب دیکھا کہ اس کی بیٹی نے مہمانوں کی بہت بے عزّتی کی ہے تو اسے بہت غصّہ آیا۔ اس نے بھرے دربار میں یہ اعلان کیا کہ شہزادی پسند کرے یا نہ کرے مگر اب میں اس کی شادی کسی فقیر سے کروں گا۔ اس اعلان کے بعد تمام لوگ چلے گئے۔

کچھ ہی دیر بعد ایک آوارہ گرد گوّیا آیا جو گلی کوچوں میں گھوم کر گانا گایا کرتا تھا۔ اس نے شاہی محل کے نیچے کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر گانا گانا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے اس کی آواز سُنی تو ایک خادم کو حکم دیا کہ اس فقیر کو اندر بُلا لاؤ۔ خادم پھٹے پرانے کپڑوں والے فقیر کو لے آیا۔ اس فقیر گویّے نے بادشاہ اور شہزادی کے سامنے بہت عمدہ گانا گایا اور پھر بادشاہ سے انعام مانگا۔ بادشاہ نے کہا، "تم نے بہت اچھا گانا سُنایا ہے۔ میں تمھیں بہت اچھا انعام دوں گا۔ میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے کروں گا۔"

جب شہزادی نے یہ سُنا تو وہ بدحواس ہو گئی۔ وہ بہت روئی پیٹی، مگر بادشاہ نے اس کی ایک نہ سُنی۔ بادشاہ نے اس کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

"میں نے مہمانوں کے سامنے قسم کھائی تھی کہ تمھاری شادی کسی فقیر سے کروں گا۔ اب میں وہ قسم پوری کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر بادشاہ نے قاضی کو بُلایا اور مغرور شہزادی کی شادی آوارہ گرد گویّے کے ساتھ کرا دی اور پھر حکم دیا کہ اب تم اپنے شوہر کے ساتھ

جانے کی تیاری کرو۔

شہزادی روتی پیٹتی فقیر کے ساتھ چل دی۔ راستے میں وہ ایک شکارگاہ سے گزرے۔ اتنی بڑی شکارگاہ کو دیکھ کر وہ حیران ہو گئی۔ اس نے فقیر سے پوچھا، "یہ شکارگاہ کس کی ہے؟"

"میں نے سُنا ہے کہ تم نے ایک داڑھی والے بادشاہ کا مذاق اُڑایا تھا، یہ شکارگاہ اسی کی ہے۔ اگر تم اس سے شادی کر لیتیں تو یہ تمھاری ملکیت ہو جاتی۔" فقیر نے جواب دیا۔

"آہ! میں نے یہ کیا کیا؟" اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

اس کے بعد وہ بہت خوب صورت باغوں میں پہنچے۔ ان کو دیکھ کر شہزادی نے پھر پوچھا، "یہ کس کے ہیں؟"

"یہ باغ بھی اسی داڑھی والے کے ہیں۔" فقیر نے آہستہ سے کہا۔
شہزادی نے افسوس بھرے لہجے میں کہا، "میں بھی کتنی بدنصیب ہوں۔"
پھر وہ ایک بڑے عظیم الشان شہر میں داخل ہوئے۔ اتنا بڑا اور خوب صورت شہر دیکھ کر شہزادی حیران رہ گئی۔ "اس شہر کا مالک کون ہے؟" اس نے پوچھا۔
فقیر نے اُسے بتایا، "یہ شہر داڑھی والے بادشاہ کے ملک کا پایۂ تخت ہے۔ اگر تم اس سے شادی کر لیتیں تو یہ سب کچھ تمھارا ہوتا۔"
"اوہ! میں نے بہت غلطی کی۔ کاش میں اس سے شادی کر لیتی۔" اس نے پچھتاتے ہوئے کہا۔
فقیر شوہر نے ناراض ہوتے ہوئے کہا، "مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں، مگر تم میرے ہوتے ہوئے دوسرے مرد کی بات کیوں کر رہی ہو، کیا مجھ میں کوئی کمی ہے؟"
اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے وہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی کے قریب پہنچے۔
"کیسی بدنما اور چھوٹی سی جھونپڑی ہے، یہ کس کی ہے؟" شہزادی نے پوچھا۔
"یہ میرا گھر ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں ہمیں زندگی گزارنی ہے۔"
"تمھارے نوکر کہاں ہیں؟"
"ہمیں نوکروں سے کیا کام! تم ہر کام کر سکتی ہو، اب آگ جلاؤ اور میرے لیے کھانا پکاؤ۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔" فقیر نے کہا۔
چوں کہ شہزادی کو کھانا پکانا نہ آتا تھا، اس لیے فقیر نے اس کی مدد کی اور کچھ دیر بعد انھوں نے اُلٹا سیدھا کھانا پکا کر کھا لیا اور سو گئے۔ دوسری صبح فقیر نے اسے جگایا اور گھر صاف کرنے اور دوسرے کام کرنے کو کہا۔
شہزادی تمام دن کام کرتی، اوپر سے جلی کٹی باتیں بھی سُنتی مگر صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اسی طرح انھوں نے کچھ دن گزارے۔ پھر ایسا وقت آیا کہ ان کے پاس کھانے تک کے لیے کچھ نہ رہا۔
ایک دن فقیر نے کہا، "میں نے جو کچھ کمایا تھا خرچ ہو گیا۔ اب تمھاری کمانے کی باری ہے۔ میں تمھیں بید لا کر دیتا ہوں۔ اس سے تم ٹوکریاں بُن لینا۔" یہ کہہ کر وہ جنگل

گیا اور بید کاٹ کر لے آیا۔ شہزادی نے ٹوکریاں بُننی شروع کر دیں۔ اس نے پہلے کبھی کوئی ایسا محنت کا کام نہیں کیا تھا، اس لیے اس کی اُنگلیاں زخمی ہو گئیں اور ان سے خون بہنے لگا۔

یہ دیکھ کر اس کے شوہر نے کہا، "میرا خیال ہے یہ کام تم نہیں کر سکتیں۔ میں تمھیں کچھ سُوت لا کر دیتا ہوں، اس سے کپڑا بُن لینا۔" مگر وہ یہ بھی نہ کر سکی۔

فقیر نے کہا، "تم تو میرے لیے بالکل بے کار ہو۔ تم کوئی کام نہیں کر سکتیں۔ تم سے شادی کر کے مجھے بڑا نقصان ہوا ہے۔ بہرحال میں کوشش کرتا ہوں کہ تمھارے لیے مٹّی کے برتن لا دوں۔ تم بازار جا کر ان کو بیچ دیا کرنا۔"

مغرور شہزادی نے اکڑ کر کہا، "مگر جب میں بازار میں کھڑی ہوں گی تو میرے ملک کے لوگ مجھے اس حال میں دیکھ کر خوب ہنسیں گے۔"

فقیر نے کہا، "یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر تم بھوک سے مرنا نہیں چاہتیں تو تمھیں یہ کام کرنا پڑے گا۔"

مٹّی کے برتن بیچنے کا کام بہت اچھا چل رہا تھا۔ لوگ جب ایک خوب صورت لڑکی کو بازار میں برتن بیچتے دیکھتے تو اس پر ترس کھا کر کچھ نہ کچھ خرید لیتے۔ برتن بک گئے تو فقیر نے اور برتن لا کر دے دیے۔ اسی دوران ایک غصیل بدمزاج سپاہی وہاں سے

گزرا۔ اس نے بازار کے بیچ میں برتن رکھے ہوئے دیکھ کر انھیں لات مار کر توڑ دیا اور کہا کہ آئندہ اس طرح راستہ مت گھیرنا۔

شہزادی بہت پریشان ہوئی۔ اس نے سارا واقعہ گھر آکر اپنے شوہر کو سُنایا۔

"تم تو انتہائی بے وقوف ہو، تم سے کس نے کہا تھا کہ بیچ بازار میں برتن لے کر بیٹھ جاؤ۔ آخر وہاں سے لوگوں کو گزرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ بھی تمھارے بس کا کام نہیں ہے۔ خیر میں شاہی محل جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں تمھارے لیے کوئی کام نکل آئے" یہ کہہ کر وہ شاہی محل روانہ ہو گیا۔

شام کو فقیر نے واپس آکر کہا، "شاہی محل میں تمھارے لیے مددگار باورچن کی جگہ مل گئی ہے۔ اب کم از کم ہمیں کھانے کو خوب مل جایا کرے گا۔"

اور اس طرح ایک مغرور شہزادی ایک مددگار باورچن بن گئی۔ وہ ہر روز صبح سے شام تک باورچی خانے کے سارے کام کرتی اور شام کو لوگوں کے آگے کا بچا ہوا کھانا لے کر گھر آجاتی اور اس طرح دونوں میاں بیوی کا گزارا ہو جاتا۔

محل میں آئے ہوئے اسے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ اس نے سُنا کہ محل میں کوئی شادی کی تقریب ہونے والی ہے۔ مقررہ دن جب مہمان آنے شروع ہوئے تو وہ باورچی خانے کی کھڑکی سے انھیں دیکھ رہی تھی۔ نقیب اور چوب دار، زرق برق کپڑوں میں مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ ہر طرف بڑی شان و شوکت اور دھوم دھام نظر آرہی تھی۔ لیکن شہزادی اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی تھی اور اپنے غرور، تکبر اور بے وقوفی پر پچھتا رہی تھی۔ اسی دوران کچھ خادمائیں آئیں اور انھوں نے اس کو بہت سے مزے دار کھانے دیے جو اس نے ٹوکری میں رکھ لیے اور گھر کی طرف چل پڑی۔

ابھی وہ محل کے دروازے سے گزر رہی تھی کہ اچانک ایک بہت ہی زرق برق لباس والے ایک شان دار اور خوب صورت شخص نے اس کا راستہ روک لیا۔ شہزادی نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا کہ وہی داڑھی والا بادشاہ تھا جس کا اس نے خوب مذاق اُڑایا تھا۔ وہ خوف اور شرم سے کانپنے لگی۔ بادشاہ اُسے لے کر ہال میں پہنچا۔ اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر اسے اپنے اوپر قابو نہ رہا اور گھبراہٹ میں ٹوکری اس کے ہاتھ سے گر گئی

اور اس میں سے کھانا نکل کر چاروں طرف بکھر گیا۔ تمام درباری ہنسنے لگے۔ شہزادی کا یہ حال تھا کہ کسی طرح زمین پھٹ جاتی تو وہ اس میں سما جاتی۔ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور بھاگنا چاہتی تھی کہ بادشاہ نے لپک کر اسے دوبارہ پکڑ لیا اور بڑی نرمی سے بولا:

"ڈرو مت، کیا تم مجھے نہیں پہچانتیں؟ میں وہی آوارہ گرد گویّا ہوں جو تمھارے ساتھ جھونپڑی میں رہتا ہے۔ میں وہی سپاہی ہوں جس نے تمھارے برتن توڑے تھے۔ یہ سب کچھ میں نے اس لیے کیا تھا کہ میں تمھیں پسند کرتا تھا اور تم سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اب تمھارے غرور کا علاج ہو چکا ہے اور تمھیں اچھا سبق مل گیا ہے۔ پچھلی باتوں کو بھول جاؤ، دیکھو آج ہماری شادی کی تقریب ہو رہی ہے۔"

اسی وقت کنیزیں آئیں اور اسے اپنے ساتھ لے گئیں۔ شہزادی کو نہلا دُھلا کر دلہن کا لباس پہنایا گیا۔ جب وہ دوبارہ ہال میں آئی تو دیکھا کہ اس کے والدین اور اس کے تمام درباری بھی وہاں جمع ہیں۔ سب لوگوں نے اسے مبارک باد دی۔

اب شہزادی بالکل بدل چکی تھی۔ اس کا غرور، اکڑ اور دوسروں سے نفرت ختم ہو چکی تھی۔ اس نے زندہ رہنے کا ڈھنگ سیکھ لیا تھا۔

کام کی چیزیں

کمپیوٹر: بے رحم انسانوں کا دشمن۔
وی سی آر: رات دن رت جگانے والی مشین۔
ٹیلے فون: رانگ نمبر ملانے والا بہترین آلہ۔
ریڈیو: کمینٹری کے وقت یاد آنے والا ڈبّا۔
سلوموشن: امپائروں کو پریشانی میں مُبتلا کرنے کا آسان طریقہ۔
ویڈیو گیمز: قوّت مزاحمت کا امتحان۔

مرسلہ: ثوبیہ اظہر، کراچی

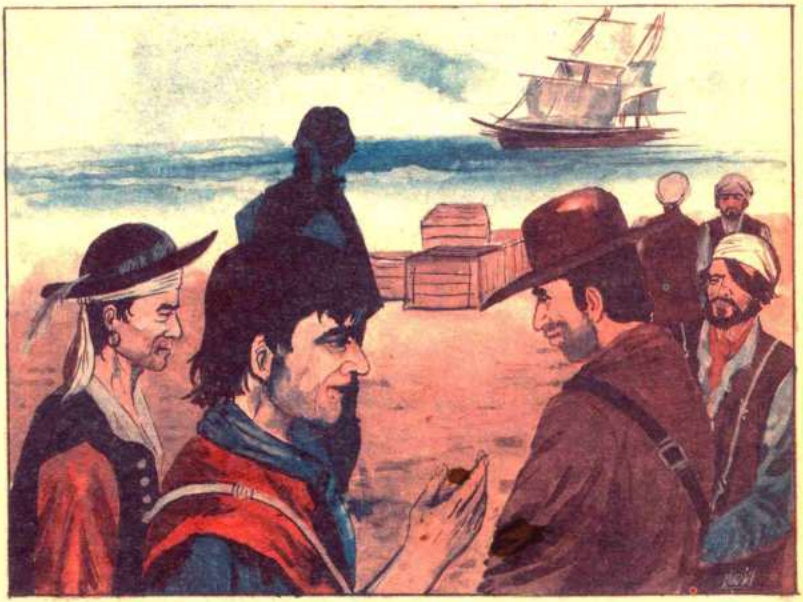

محنت سونے سے بہتر ہے

شیخ محمد سلیم، ٹنڈو آدم

ایک زمانے میں یورپ کے باشندے جنوبی امریکا اس لیے جایا کرتے تھے کہ وہاں کی زمین کو کھود کر اپنی قسمت آزمائی کریں۔ شاید کچھ مال دولت مل جائے۔ یہی خواہش اسپین کے ایک باشندے کو بھی ہوئی۔ اس نے اپنے بڑے بھائی کو منصوبہ بتایا اور درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ جو دولت ہاتھ آئے گی اسے آدھا آدھا بانٹ لیں گے۔

بڑا بھائی بہت سمجھ دار آدمی تھا۔ اس نے تمام بات سُن کر اور سمجھ کر کہا، "اس میں کام یابی کی اُمید بہت کم ہے۔" لیکن اس نے چھوٹے بھائی پر جب اپنی بات کا کچھ اثر

نہ دیکھا تو اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے کہا، "میں تمھاری دولت میں حصّے دار نہیں بننا چاہتا۔ میں تو تھوڑے سے نوکر اور تھوڑا بہت سامان تم کو دے دوں گا۔ باقی تم جانو اور تمھارا کام جانے۔"

چھوٹے بھائی نے یہ بات مان لی اور سفر کی تیاری شروع کر دی اور اپنا سارا سامان بیچ کر ایک جہاز خرید لیا۔ جلد ہی سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی اور کچھ اور مال و دولت کے لالچی اس کے ساتھ سفر کرنے کو تیار ہو گئے۔ بڑا بھائی بہت سے کاشت کاری کے اوزار اور غلّے اور ترکاریوں کی بوریاں لایا اور اپنے چند نوکروں کے ساتھ اس کے جہاز پر سوار ہو گیا۔ چھوٹے بھائی کو یہ سارا کباڑ دیکھ کر غصّہ تو بہت آیا مگر وہ بڑے بھائی سے پہلے بات کر چکا تھا، اس لیے کچھ نہ کہہ سکا۔

جہاز روانہ ہوا اور اللہ کے فضل سے ہوا ایسی موافق آئی کہ بغیر کسی پریشانی کے اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ سب مسافر خشکی پر اُتر گئے۔ بڑے بھائی نے کچھ بھیڑیں اور بیل خریدے اور اپنے نوکروں اور سامان کو لے کر ساحل کے قریب زمین کے ایک عمدہ سے ٹکڑے پر جا پہنچا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہہ دیا، "میں یہاں نہ تو رہنے کے لیے آیا ہوں اور نہ دولت کا لالچ مجھ کو یہاں لایا ہے۔ میں تو صرف تمھارا ساتھ دینے کی وجہ سے آیا ہوں۔ جب تم سونا لے کر آجاؤ گے تو میں تمھارے ساتھ وطن کو واپس چلوں گا۔"

سونے کے خواہش مند لوگوں نے کان کھودنے والے مزدور ساتھ لیے اور بہت سا ضروری سامان لے کر اس طرف چل پڑے جہاں سونا نکلتا تھا۔ سفر کے دوران چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی ناسمجھی پر افسوس کر کے اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا، "دیکھو، حضرت نے بیل اور بھیڑیں خریدی ہیں۔ پردیس میں آ کر کاشت کاری کا کھڑاگ پھیلایا ہے۔ ہم دیکھو تو اپنا قیمتی وقت یوں ضائع کرنا پسند نہیں کرتے۔ اگر قسمت نے ساتھ دیا تو اتنا کما لائیں گے کہ پشتوں تک کافی ہو گا۔" اس کے سب ساتھیوں نے اس کی عقل مندی اور ہمّت کی داد دی، لیکن ایک بوڑھے شخص نے سر ہلا کر کہا، "میاں! تمھارا بھائی ایسا نہیں ہے جیسا تم خیال کرتے ہو۔ وہ بہت ذہین اور سمجھ دار آدمی ہے۔"

غرض یہ قافلہ دریاؤں کو پار کرتا، دشوار گزار دروں سے گزرتا، سخت بارش اور تیز

دھوپ کی تکلیفیں اُٹھاتا سونے کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک جگہ انھیں سونا بہت بڑی مقدار میں مل گیا۔ اس کامیابی نے ایسا خوش کیا کہ جس قدر تکلیفیں اُٹھائی تھیں سب بھول گئے۔ کافی عرصے تک وہاں کام جاری رہا۔ لیکن غلّے کا ذخیرہ تھوڑا تھا، اس لیے خوراک میں کمی کرنی پڑی اور جب غلّہ بالکل ختم ہو گیا تو بھی ان لوگوں نے دولت کی خوشی میں ہمّت نہ ہاری۔ جنگل کی جڑی بوٹیاں کھا کر دن کاٹے اور زیادہ سے زیادہ سونا جمع کرتے رہے۔ آخر سب لوگ سونا لے کر بندرگاہ کی طرف چلے، لیکن ایک تو سفر کی تکلیفیں اور پھر فاقے، ان سب نے ان کو جلد ہی نڈھال کر دیا۔ کچھ لوگ تو راستے میں مر گئے۔

اُدھر بڑے بھائی نے اپنے نوکروں کو ساتھ لگا کر زراعت شروع کر دی۔ اس کی محنت، سلیقے اور تجربے نے جلد ہی اس ویران جنگل کو باغ و بہار بنا دیا۔ فصل بہت اچھی ہوئی۔ ہر قسم کا غلّہ اور ترکاریاں خوب پیدا ہوئیں۔ بھیڑوں نے اتنے بچّے دیے کہ ایک بڑا گلہ ہو گیا۔ دودھ، مکھن اور پنیر کی کمی نہ رہی۔ اس کے نوکروں نے فرصت کے وقت میں مچھلیوں کا شکار کیا اور انھیں سُکھا کر ایک ڈھیر جمع کر لیا۔

جب چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے پاس پہنچا تو اس کی اور اس کے باقی ساتھیوں کی حالت بہت نازک تھی۔ دو روز سے فاقے پر فاقہ کیا تھا۔ پہلی بات جو ان مصیبت کے ماروں نے کی وہ یہ تھی کہ ہمیں کھانا کھلا دو۔

بڑے بھائی نے ان کے واپس آنے سے خوشی تو ظاہر کی اور ان کو زندہ سلامت پہنچنے کی مبارک باد بھی دی، مگر کھانے کا سوال سُن کر رُوکھا سا جواب دیا: "جب تمھاری دولت سے مجھ کو کوئی سروکار نہیں تو میری کمائی سے تم کو کیا واسطہ؟ جو دانہ دُنکا میں نے اپنے بازوؤں کی طاقت سے حاصل کیا ہے میں تم کو کیوں مفت دوں۔ اگر تم کو ایسی ہی ضرورت ہے تو سونا دو اور کھانا لو۔"

بڑے بھائی کی اس بے رحمی پر ان لوگوں کو بڑا غصّہ آیا مگر بھوک کے مارے دَم نکلا جا رہا تھا، اس لیے ناچار سونے کی ڈلیاں دے کر کھانا خریدا اور اپنی جان بچائی۔ اسی طرح ہر روز خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا رہا یہاں تک کہ ان کا تمام سونا صرف

پیٹ بھرنے میں خرچ ہو گیا۔

جب بڑے بھائی کو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا سب سرمایہ ختم ہو چکا ہے تو اس نے کہا: "آج کل موسم اچھا ہے۔ ہوا بھی موافق چل رہی ہے۔ بہتر ہے کہ یہاں سے جہاز کا لنگر اُٹھاؤ اور وطن واپس پہنچ کر بال بچّوں کی خبر لو۔ اللہ جانے ان پر کیا گزری اور تمھارے انتظار میں ان بے چاروں کا کیا حال ہوا ہو گا۔"

چھوٹے بھائی نے افسوس سے جواب دیا: "جو کچھ اپنی جان کھپا کر ہم نے کمایا وہ تو سب کا سب آپ کی نظر کر چکے۔ اب خالی ہاتھ کیا جائیں اور اپنوں اور بیگانوں کو کیا منھ دکھائیں؟ اور تم جیسے سنگ دِل آدمی کے ساتھ جانے سے تو یہیں مَر جانا بہتر ہے۔"

چھوٹے بھائی کے منھ سے ایسی مایوسی کی باتیں سُن کر بڑا بھائی ہنستا ہوا اُٹھا اور سارا کا سارا سونا لا کر چھوٹے بھائی اور اس کے ساتھیوں کے حوالے کر دیا اور کہا، "لو، تمھاری دولت تم کو مبارک ہو۔ مجھے اس کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ میں نے جو تم سے سلوک کیا اس میں یہ مصلحت تھی کہ تمھیں اپنی غلطی معلوم ہو جائے اور ہمیشہ اس نصیحت کو یاد رکھو، "محنت سونے سے بہتر ہے۔"

آخر سب لوگ خوش و خرم اپنے وطن کو روانہ ہوئے۔ چھوٹے بھائی نے گھر پہنچ کر چاہا کہ اپنے سونے کا آدھا حصّہ بڑے بھائی کو دے دوں، مگر اس بڑی ہمّت والے نے پھر وہی جواب دیا:

"محنت سونے سے بہتر ہے۔"

کیا آپ جانتے ہیں؟

- مشہور جانور یاک کا دودھ گلابی رنگ کا ہوتا ہے۔
- تیراکی کے تیز ترین طریقے کو کرال کہا جاتا ہے۔
- قائدِ اعظم جناب میاں محمد شریف کو "مسلم لیگ کا جنرل" کہتے تھے۔
- فونا ایک ملک میں پائے جانے والے جانوروں کو کہا جاتا ہے۔

مُرسلہ: ماریہ زیدی، کراچی

Adarts-NGW-4/R

جیلی فش

ڈاکٹر منظور احمد

جیلی فش کا نام تو کافی مانوس لگتا ہے، لیکن اِن کے بارے میں بعض حیرت انگیز حقیقتوں کا بہت کم لوگوں کو علم ہوگا۔ ساحلِ سمندر پر سیر و تفریح کے لیے جانے والوں نے اکثر چھوٹی چھوٹی جیلی فش کو ریت پر بکھرے ہوئے دیکھا ہوگا۔ کشتی پر کھلے سمندروں میں گھومنے والوں نے بھی انھیں تیرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جیلی فش مچھلی نہیں ہے۔ مچھلی سے تو اس کا دُور کا بھی تعلق نہیں۔ مچھلیاں ہڈی دار حیوانات ہیں۔ ان میں مرکزی دماغ ہوتا ہے، سننے اور دیکھنے کے لیے کان اور آنکھیں ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جیلی فش میں اس طرح کا کوئی نظام نہیں ہے۔ بنیادی طور پر جیلی فش ایک چھتری کی طرح کا جسم رکھتی ہے۔ اس چھتری کا درمیانی حصّہ گنبد کی طرح اُبھرا ہوا بھی ہوتا ہے اور بالکل تھالی کی طرح چپٹا بھی۔ چھتری کے کنارے کنارے کے ساتھ ساتھ۔ گولائی میں بہت سے بازو (Tentacles) بھی لٹک رہے ہوتے ہیں جن کی مدد سے جیلی فش اپنی غذا اکھٹی کرتی ہے یا غذا کے لیے چھوٹے سمندری حیوانات کو شکار کرتی ہے۔

جیلی فش زندگی کا ہر لمحہ تیرتے ہوئے گزارتی ہے۔ تیز تیرنے کے وقت وہ ایک گھنٹے میں کئی کیلو میٹر کا فاصلہ بھی طے کر سکتی ہے، بلکہ اگر سمندر کی لہروں کا رُخ موافق ہو تو جیلی فش لمبے فاصلے تک کا سفر طے کر لیتی ہے۔ چھتری کا اُبھرا ہوا حصّہ آگے رکھ کر وہ کناروں کو سُکیڑ کر تیزی سے پانی پر ضرب لگاتی ہے اور آگے بڑھتی ہے۔ بعض قسموں کی جیلی فش ہزاروں کے گروہ بنا کر رہتی ہیں۔ وہ جب بھی نظر آتی ہیں دُور دُور تک سمندر کی سطح پر ان کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ ایسی بھی صورتِ حال ہوتی ہے کہ ۴۰۔۴۵ میل تک کا علاقہ جیلی فش سے اَٹا پڑا ہو جس میں ۴۰۔۴۵ ہزار جیلی فش بکھری ہوتی ہوں۔ ایسے میں ماہی گیروں کے ہاتھ سوائے جیلی فش کے کچھ نہیں آتا اور انھیں شکار کا ارادہ ملتوی کرنا پڑتا ہے۔

اگرچہ نائیڈیریا (Cnidarians) حیوانات اپنے کئی قسم کے تازیانہ یا کوڑا بردار خلیوں کے لیے مشہور ہیں۔ لیکن جیلی فش کے اندر موجود کوڑے بہت خطرناک بلکہ بعض اوقات مہلک ہوتے ہیں۔ جیلی فش کی چھتری کی بیرونی اور اندرونی دونوں سطح پر موجود کوڑے، بلکہ ٹوٹے ہوئے

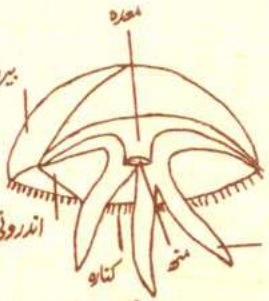

شکل۔۱۔ ایک عام جیلی فش (پہلو سے)

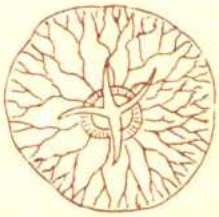

شکل۔۲ جیلی فش (منہ کی طرف سے)

بازوؤں پر موجود کوڑے بھی خطرناک ہوتے ہیں۔ جونہی کوئی جیلی فش یا اُس کا کوئی ٹوٹا ہوا حصّہ انسانی جلد کو چھوتا ہے تو خرد بینی کوڑوں کی ضرب سے جلد میں کھجلی اور پھر جلن شروع ہو جاتی ہے۔ پھر جلد سرخ ہو کر سُوجنے لگتی ہے۔ بعض اوقات عضلات کھنچ جاتے ہیں۔ اگر یہ صورتِ حال تیراکوں کے لیے پیش آجائے تو ان کے لیے یہ بات جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی جیلی فش کے ساتھ ٹکرانے سے اتنے خرد بینی تازیانے لگیں کہ تیز بخار ہو جائے۔ زیادہ حساس جلد والے آدمیوں کے لیے مزید المرجی کے خطرات بھی ہیں۔ گرم سمندروں میں جیلی فش کے زہریلے خُرد بینی کوڑوں سے ہر سال بے خبر تیرنے والے مرتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی سمندری طوفان ہزاروں جیلی فشوں کو ساحلوں پر لا پھینکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ ان بہ ظاہر بے ضرر جیلی فش کے ڈھیروں کو ہاتھ سے نہ چُھوا جائے۔ اگر تفصیل سے معائنہ کرنا ہو تو لکڑی یا لوہے کے ٹکڑے سے اُلٹا پلٹا جائے۔

جیلی فش ساری دنیا کے سمندروں میں پائی جاتی ہے۔ یخ بستہ اور گرم پانیوں میں سطح سمندر سے لے کر ۸۔۱۰ ہزار میٹر کی گہرائی تک۔ یہ ساحلی پانیوں سے کھُلے سمندروں تک ہر جگہ موجود رہتی ہے۔ ان کی چھتری کا قطر ایک سنٹی میٹر سے کم بھی ہوتا ہے اور ۲ میٹر سے زیادہ بھی۔ ان کے رنگ بھی بے شمار اور خوب صورت ہوتے ہیں۔ اپنی تکلیف دہ خاصیتوں کی وجہ سے ان کے نام بھی بڑے ڈراؤنے رکھے گئے ہیں۔ مثلاً آگ جیلی فش (Fire Jellyfish) سمندری بھڑ یا سمندری تتیا (Sea Wasp) وغیرہ۔ ان کے ذرا سا چھونے سے جسم پر چھالے پڑ جاتے ہیں۔ اس لیے ان سے خطرہ سمندر کے ہر حصّے میں موجود رہتا ہے۔ ساحلوں کے اُتھلے پانیوں میں گھومنے والوں کو ساحلی

یا کھلے سمندروں میں تیرنے والوں کو اور گہرائیوں میں غوطہ لگانے والوں کو بھی۔ آسٹریلیا کے ساحلوں پر تو ہر سال دس بیس تیراک جیلی فش کے ڈنک سے مر جاتے ہیں۔

بسا اوقات جیلی فش کے جسم کی چھتری، منھ، بیضہ دان اور اُنیثے (Gonads) اور بازو الگ الگ رنگوں کے ہوتے ہیں۔ جب جیلی فش گروہوں میں سفر کرتی ہیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے شفاف، پانیوں میں رنگ برنگے پھولوں کے ٹوکرے چلے جا رہے ہیں۔ عام اصول یہی ہے کہ جیلی فش کی جو قسمیں سطح پر رہتی ہیں وہ پانی کے رنگ جیسی اور شفاف ہوتی ہیں۔ جوں جوں گہرائی میں جائیں ایسی قسموں کی جیلی فش نظر آتی ہیں جن کے رنگ گہرے اور چمک دار ہوتے ہیں۔ ناسی تھوئی نامی (Nausithoe) جیلی فش دنیا کے تمام سمندروں میں ۸۳۰۰ میٹر کی گہرائی پر ملتی ہے۔ اس کا رنگ ہلکا سبز سے بھورا ہوتا ہے۔ چھتری کے اوپر سرخ دھبے ہوتے ہیں۔ بیضہ دان اور اُنیثے زرد، سرخ یا بھورے ہوتے ہیں۔ بحر اوقیانوس اور شمالی سمندر میں پائی جانے والی بعض جیلی فش چمک دار نیلے رنگ کی ہوتی ہیں۔ بحیرۂ روم اور بحر اوقیانوس میں ایک پیلیجیا (Pelegia) نامی جیلی فش جگنو کی طرح چمکتی ہے۔ اس لیے اسے یمپ جیلی فش کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کا اپنا رنگ عنابی یا بھورا سرخ ہوتا ہے، لیکن جب کوئی دوسری چیز اس کے جسم سے چھوتی ہے تو اس میں سے ایک تیز روشن چمک خارج ہوتی ہے۔

شیر کی ایال نامی جیلی فش (Lion's mane Jellyfish) کا گروہ ایسی جیلی فش پر مشتمل ہے جو اپنی قامت میں بہت بڑی اور خوف ناک ہوتی ہیں۔ ان کے جسم کی چھتری کا قطر ۲ میٹر سے زیادہ ہوتا ہے۔ چھتری سے لٹکے ہوئے بازو کنارے کے ساتھ نہیں، بلکہ آٹھ گروہوں میں ہوتے ہیں۔ ہر گروہ میں ۱۵۰ بازو ہوتے ہیں۔ گویا چھتری سے نیچے ۱۲۰۰ کے لگ بھگ زہریلے کوڑوں (Nemato cysts) سے لدے ہوئے بازو لٹک رہے ہوتے ہیں۔ یہ بازو مزید ۵۰ میٹر گہرائی تک پہنچ سکتے ہیں اور ایک سیکنڈ میں سکڑ کر ۴ میٹر تک آ سکتے ہیں۔ گویا چھتری کے نیچے زہر اور موت کا ایک جال بچھا ہوتا ہے جو ۵۰۰ مربع میٹر علاقے پر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اس بات کا تصوّر مشکل نہیں کہ اگر کوئی تیراک یا مچھلی یا جھینگا وغیرہ اس "موت کے جال" کی حدود میں آ جائے تو اس کا کیا انجام ہوگا۔ خوش قسمتی سے اس قسم کی دیو ہیکل جیلی فش صرف قطبین کے پانیوں میں ملتی ہیں جہاں عام انسانوں کا معمول کا گزر نہیں ہوتا۔ ان کی دہشت کو خراج تحسین

ادا کرنے کی خاطر شرلاک ہومز کی کہانیوں میں ان کے نام کو استعمال کیا گیا ہے۔

سمندروں کی وسیع ترین حدود میں اور سب سے کثرت سے ملنے والی جیلی فش وہی ہے جو ہمارے سمندر میں بھی ملتی ہے اور جس کا نام آریلیا (Aurelia) ہے۔ اگرچہ یہ استوائی سمندروں سے قطبین تک ملتی ہے۔ لیکن اس کی شکل ہر جگہ ایک جیسی ہوتی ہے۔ آریلیا کے جسم میں ۹۸ فی صد پانی ہوتا ہے۔ اس کی چھتری بے رنگ اور شفاف ہوتی ہے جس کا قطر ۲۵ سنٹی میٹر کے لگ بھگ ہوتا ہے۔ ۴۰ سنٹی میٹر قطر انتہائی دیکھا گیا ہے۔ اس کے بازو چھوٹے اور تعداد میں بے شمار ہوتے ہیں۔ چھتری اور بازوؤں کے کوڑے یا تو ہوتے ہی نہیں یا انسانوں کے لیے بے ضرر ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کراچی کے ساحل پر جیلی فش کے باعث کوئی خوف ناک بات پیش نہیں آتی۔ البتہ کئی دوسری اقسام کی جیلی فش جو ہمارے ساحل پر ملتی ہیں ان کے کوڑوں کے باعث چھوٹی موٹی تکلیفوں کی شکایت ہوتی رہتی ہے۔

جیلی فش خُرد بینی قشر یے۔ یک خلوی حیوانات وغیرہ کو تو جسم پر موجود ننھے 'بال' (Cilia) پانی میں ایک رو پیدا کر کے منہ کی طرف لے آتے ہیں، لیکن نسبتاً بڑے سمندری حیوانات مثلاً گھونگھوں اور قشریوں کو جیلی فش اپنے بازوؤں سے چھوتی ہے۔ بازو مضبوطی سے چپکاتی ہے اور منہ کے قریب لا کر اُسے سالم نگل لیتی ہے۔ شکار کر کے کھائے ہوئے حیوانات کے بے کار حصّے بعد میں منہ سے ہی خارج کر دیتی ہے۔ جیلی فش کے جسم کی چھتری تیرتے اور شکار کو نگلتے وقت مختلف شکلیں بناتی ہے۔ کبھی پلیٹ کی طرح چپٹی، کبھی گنبد نما اُبھری ہوئی۔ کبھی تکون کی طرح نوک دار اور شکار کی جسامت کے لحاظ سے پھول جاتی ہے۔ شوقین لوگ بے ضرر قسم کی جیلی فش کو ایکوریم میں پال کر گھروں میں بھی رکھ لیتے ہیں۔ بشرطے کہ سمندر کا باقاعدگی کے ساتھ فراہم کر سکیں۔ لیکن اگر ایک ہی ایکوریم میں مچھلیوں اور جیلی فش کو رکھا جائے تو مچھلیاں جیلی فش کا جسم نوچ نوچ کر کھانا شروع کر دیتی ہیں۔ بعض لوگ جیلی فش کے جسم کے مُردہ ٹکڑوں کو مچھلی کے شکار میں چارے کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دنیا کی خطرناک ترین جیلی فش "سمندری تتیّا یا "سمندری بھڑ" کو مشرقی ایشیائی ممالک مثلاً فلی پین وغیرہ میں اچار بنا کر کھایا جاتا ہے اور یہ بڑی مقدار میں غذا کی دوسری اشیا کے ساتھ بکتی ہے۔

صدر پاکستان کی وفات پر

نونہالوں کی تحریریں

جنرل ضیاء الحق

ایک عظیم رہبر

پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور ان کے ساتھیوں کی شہادت پر ہمیں بہت سے نونہالوں نے ایک جیسی تحریریں بھیجی ہیں۔ ان تمام تحریروں میں مرحوم صدر کی زندگی، اخلاق اور کردار پیش کیا گیا ہے۔ ہم ان تمام تحریروں کو یکجا کر کے ان تمام نونہالوں کے ناموں کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

فاروق عمر، نورین کوثر، شازیہ فرحین، آفتاب احمد عثمان، پُرنم جان، راشدہ علی محمد اور سلیم احمد خان۔ کراچی

۱۷۔ اگست ۱۹۸۸ء کی سہ پہر صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ بہاول پور کے قریب ایک فضائی حادثے میں شہید ہو گئے۔ انتقال کے وقت جنرل محمد ضیاء الحق کی عمر چونسٹھ سال تھی۔ آپ جالندھر کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد اور والدہ بڑے دین دار تھے اور انھوں نے اپنے بچے کو بھی یہی ماحول دیا۔ اس

ماحول کا اثر ان کی شخصیت کا حصّہ رہا۔

انھوں نے ابتدائی تعلیم جالندھر میں ہی حاصل کی۔ پھر سینٹ اسٹیفن کالج دہلی سے بی اے کیا اور فوج میں شامل ہو گئے۔

۱۹۷۷ء میں جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی۔ وہ ایک سادہ اور ملنسار طبیعت کے مالک تھے۔ ان کی یہ صفت ان کے مخالفین بھی مانتے تھے۔ وہ ہر ایک سے جُھک کر ملتے اور ان کے ساتھ احترام سے پیش آتے۔ غرور ان کو چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ ان کی طبیعت میں بہت دردمندی اور خدا ترسی تھی۔ انھوں نے بیواؤں، غریبوں، معذوروں اور یتیموں کے وظیفے مقرر کیے۔ وہ ذاتی زندگی میں بھی ایک بہت شفیق انسان تھے۔ وہ ایک فرماں بردار بیٹے، اچھے خاوند اور بہترین باپ تھے۔ شہادت سے ایک دن پہلے وہ تین بجے رات تک اپنے بچّوں سے باتیں کرتے رہے۔

جنرل محمد ضیاء الحق ایک تہجد گزار مسلمان تھے۔ وہ ذاتی زندگی میں نماز، روزے کا خاص اہتمام کرتے۔ ہر سال کعبۃ اللہ کی زیارت کرتے اور مدینے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضۂ مبارک پر حاضری دیتے۔ کعبۃ اللہ میں وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے، گڑگڑاتے اور اپنے ملک اور اپنے ہم وطنوں کے لیے دعا کرتے۔ ایک دفعہ کعبۃ اللہ میں جب نفل نماز کی امامت کے لیے امام کعبہ نے ان کو آگے بڑھا دیا تو جذبات کی شدّت سے ان پر رقّت طاری ہو گئی۔ ان کی ٹانگیں کپکپانے لگیں اور ہچکیاں بندھ گئیں۔ ان کے وفد کے ارکان کا کہنا تھا کہ ہمیں ڈر ہو گیا تھا کہ کہیں صدر صاحب بے ہوش نہ ہو جائیں۔ تحمّل، بردباری اور قوّت برداشت ان کو کٹھن مرحلوں سے بھی کامیابی کے ساتھ نکال دیتی تھی۔ عالمی امور پہ ان کی گہری نگاہ تھی۔

انسان اپنی چھوٹی چھوٹی خوبیوں اور باتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ ان کے انتقال پر لاکھوں افراد نے ان کے جنازے میں شرکت کی۔ آرمی ہاؤس میں وہ تمام بیوائیں اور یتیم جمع تھے جن کی وہ خاموشی سے مدد کرتے رہتے تھے۔ ملک بھر کی مسجدوں میں اور گھروں میں قرآن خوانی ہوئی۔ ہزاروں قرآن صدر کے ایصالِ ثواب کے لیے ختم کیے گئے۔ کعبۃ اللہ اور مسجدِ نبوی میں بھی غائبانہ نمازِ جنازہ ہوئی۔

سوال و جواب

طب کی روشنی میں

حکیم محمد سعید

چہرے پر دانے

س: میرے چہرے پر دانے نکل آئے ہیں۔ جب کوئی دانہ ختم ہو جاتا ہے تو اس جگہ پر کالا نشان رہ جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن خانزادہ، نصر پور

ج: اپنی غذا میں سے گائے کا گوشت خارج کر دیجیے۔ یہ بڑا موذی گوشت ہے، بڑے فساد پیدا کرتا ہے۔ اگر مسالے دار غذائیں کھاتے ہوں تو ان کو ترک کرنا چاہیے۔ رات کو صافی چائے کے دو چمچوں کے برابر پانی میں ملا کر ۲۰-۲۵ دن پی لیجیے۔ اس سے فائدہ ہوگا۔

دانے اور کالے دھبّے

س: عمریں بالترتیب ۱۰، ۱۲ اور ۱۸ سال ہیں۔ پچھلے دنوں ہمارے چہرے پر بڑے بڑے دانے نکل آئے تھے۔ اب دانے تو مکمل طور پر ٹھیک ہو چکے ہیں مگر منھ پر کالے رنگ کے دھبّے رہ گئے ہیں۔ کوئی علاج تجویز فرمائیے۔ عجیب خان، داؤد خان، لاہور خان، کراچی

ج: گل منڈی ۵ گرام کو پانی میں جوش دے کر رات سوتے وقت پینا شروع کر دیں۔ کلونجی پانی میں باریک پیس کر چہرے پر لگانا شروع کر دیجیے۔ امید ہے کہ داغ جاتے رہیں گے۔

بال گرتے ہیں

س: عمر ۱۵ سال ہے۔ سر کے بال بہت گرتے ہیں اور یہ بھی بتائیے شمپو استعمال کریں یا نہیں؟ ذکیہ سلطانہ مغل، جیکب آباد

ج: بہ ظاہر تو شمپو اور صابن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ذرا دیکھیے کہ سر میں کہیں خشکی تو نہیں ہے۔ اگر خشکی ہے تو اس کا رفع کرنا ضروری ہے۔ دوائے خارش سفید ۳ گرام، روغن کمیلہ

۳۶ گرام ۔ دونوں ہمدرد سے خرید لیں ۔ ملا کر رکھ لیں ۔ ۸ ۔ ۱۰ دن رات یہ تیل سر میں لگائیں ۔ صبح دھو دیں ۔ اس سے سر کی خشکی دُور ہو جائے گی اور بال بھی گرنے بند ہو جائیں گے ۔

پسلی میں درد

س : عمر ۱۴ سال ۔ کچھ عرصے سے میری بائیں پسلی کے نچلے حصّے میں ہلکا سا درد ہے ۔ اب اس جگہ لال دانے نکل آئے ہیں اور ان میں پانی بھر گیا ہے ۔ دن میں کئی بار شدید درد اور جلن سی ہوتی ہے ۔

ل ۔ ق، کراچی

ج ایسا لگتا ہے کہ تلّی میں کوئی تکلیف ہے ۔ ممکن ہے کہ آنت میں کوئی خراش یا سوزش ہو ۔ اوپر دانے نکل آنا سمجھ میں نہیں آرہا ہے ۔ مناسب ہے کہ کسی اچھے معالج سے مشورہ کریں ۔

انگلیوں کی سوجن

س : عمر ۱۵ سال ہے ۔ میں جب صبح اُٹھتا ہوں تو میرے ہاتھ کی انگلیاں سُوج جاتی ہیں ۔

نسیم دکی، کراچی

ج : آپ کو کسی معالج سے مشورہ کرنا چاہیے ۔ اگر سوجن کے ساتھ درد بھی ہے تو یہ اچھی علامت نہیں ہے ۔ یہ ورم اور درد بڑھ کر دوسرے جوڑوں میں بھی ہو سکتا ہے ۔

گنجا پن

س : میری بہن کی عمر تقریباً سات سال ہے ۔ جب پیدا ہوئی تھی تو سر پر بال تھے، مگر جب پہلی مرتبہ گنجا کروایا تب سے اس کے سر پر بال نہیں آرہے ہیں ۔ سر پر بال آئے بھی ہیں تو وہ بھی بُرش کی طرح سخت ۔

چنگیزی، مقام نامعلوم

ج : آپ کے سوال کو پڑھ کر میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کیا صورتِ حال ہے ۔ ممکن ہے کہ سر کی جلد میں کوئی بیماری ہو ۔ مناسب ہے کہ امراضِ جلد کے کسی ماہر سے مشورہ کر لیا جائے ۔

خارش

س : عمر ۱۶ سال ۔ میرے سارے جسم پر خارش ہوتی ہے ۔ مطب سے بھی علاج کروا چکا ہوں اور صافی بھی استعمال کر رہا ہوں، پھر بھی آرام نہیں آیا ۔

عامر شمیم، لاہور

ج : آپ کو اپنے جگر پر توجہ کرنی چاہیے ۔ آپ تخم میتھی (میتھی دانے) ۷ گرام لے کر اُسے پانی میں جوش دے کر پینا شروع کر دیجیے ۔ اس سے آرام ہو جائے گا ۔ گائے بھینس کا گوشت

کھانا بند کر دیجیے۔ یہ صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔

ناک کا پھولنا

س: میری ناک ایک طرف سے پھول گئی ہے اور اب دوسری طرف سے پھولنی شروع ہو گئی ہے۔

شبانہ غیاث، خیرپور میرس

ج: آپ کی ناک کے اندر کے غدود بڑھ گئے ہیں۔ ان کی وجہ سے ناک پھول گئی ہے۔ نیم کے تازہ پتّے پانی میں جوش دے کر چھان کر ذرا سا نمک ملا کر اس گرم پانی سے ناک دھونا شروع کر دیجیے۔ اس سے آرام آجائے گا۔ گل منڈی ۵ گرام۔ پانی میں جوش دے کر چھان کر پینا شروع کر دیں۔ اگر نہ ملے تو صافی دو چمچے نیم گرم پانی میں ملا کر رات کو پی لیا کریں۔

بال گرنا

س: عمر ۱۹ سال۔ میرے بال گزشتہ دو سال سے گرنے لگے ہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اس کے علاوہ میرے سر میں جوئیں بھی بہت ہو گئی ہیں۔

محمد اقبال، پشاور

ج: آپ نے اپنے سر کی صفائی اچھی طرح کرنے سے غفلت برتی ہے۔ حد یہ کہ اس میں جوئیں تک پڑ گئی ہیں، ایسی صورت میں سر کی کھال (جلد) خراب اور بیمار ہو جاتی ہے اور کم زور ہو کر بال اس سے جھڑنے لگتے ہیں۔ پشاور میں ہمدرد سے "دوائے خارش سفید" ۱۲ گرام، روغن کمیلہ ۱۲۰ گرام لے لیجیے اور دونوں کو ملا کر رکھ لیجیے۔ روزانہ رات کو سر میں یہ تیل لگائیے۔ صبح گندک کے صابن سے سر دھویے۔ کافی عرصے یہ سلسلہ جاری رکھیے۔

چھوٹا قد

س: میرا قد دو فیٹ چار انچ ہے۔ میں پانچویں کلاس میں پڑھتا ہوں۔ کوئی ایسا مشورہ یا دوا تجویز کیجیے جس سے میرا قد بڑھے۔

شعیب احمد، کراچی

ج: آپ کی عمر ابھی کم ہے۔ امکان ہے کہ قد بڑھتا رہے۔ زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ یہ نظام اللہ ہے۔ اس میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ آپ کو چاہیے کہ علم اور اخلاق میں برتری حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

•••••••

ہمدرد انسائکلو پیڈیا

س: آج کل شعاعوں کے ذریعہ سے علاج کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں ذرا وضاحت اور تفصیل سے بتائیے۔ اس کے کیا فائدے اور نقصانات ہیں؟

حافظ محمد اکرم سیالوی، تحصیل ننکانہ

ج ہماری آنکھیں روشنی کی عام شعاعوں سے متاثر ہوتی ہیں لیکن بہت سی شعاعیں ایسی بھی ہیں جنھیں ہم نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً انفراریڈ، الٹرا وائلٹ، ایلفاریز، گاماریز، بیٹاریز، ایکس ریز وغیرہ۔ ان سب میں طولِ موج اور قوت کا فرق ہے۔ یہ شعاعیں اگر ہماری جلد پر زیادہ تعداد میں اور اکثر پڑیں تو ہماری جلد کو اُن سے نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن بعض قوی شعاعوں کو اگر جلد یا جسم کی کسی گلٹی، رسولی یا سرطان کے پھوڑے پر مرکوز کر دیا جائے تو وہ اُن جراثیم کو ختم کر دیتی ہیں جو بیماری کا سبب بنتے ہیں۔ ان شعاعوں سے سرطان کے علاج میں مدد دی جاتی ہے لیکن اُن کا غلط یا غیر ضروری استعمال ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔

س: ٹیلے فون کے آلات کس طرح کام کرتے ہیں؟ آصف یوسف، کراچی

ج: ٹیلے فون کے دو خاص حصّے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس میں آپ بولتے ہیں اور دوسرا وہ جسے کان پر رکھ کر آپ آواز سُنتے ہیں۔ پہلے کو ماؤتھ پیس اور دوسرے کو ایئر پیس کہتے ہیں۔ یہ دونوں بجلی کی مدد سے کام کرتے ہیں۔ ماؤتھ پیس میں ایک مائکروفون ہوتا ہے جو آپ کے بولے ہوئے الفاظ کو برقی سگنل میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ سگنل تاروں کے ذریعہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں یا تاروں کے بغیر ریڈیائی اشاروں کی شکل میں نشر کر دیے جاتے ہیں۔ اب مواصلاتی سیاروں کے ذریعہ سے ریڈیو ٹیلے فون لہریں دنیا کے ہر ملک تک بھیجی جا سکتی ہیں۔ آپ جو آلہ کان پر رکھتے ہیں۔ وہ اصل میں ایک لاؤڈ اسپیکر ہوتا ہے۔ وہ آنے والے برقی

ارتعاشات کو دوبارہ آواز میں تبدیل کر دیتا ہے اور یوں دو آدمی ٹیلے فون پر آسانی سے آپس میں بات کر لیتے ہیں۔

س: اُڑن تشتریاں کیا واقعی وجود رکھتی ہیں؟ مبشر علی زیدی، کراچی

ج: یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے موافق اور خلاف بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اُڑن تشتریاں وہ خلائی جہاز ہیں جو دوسرے سیاروں سے ہماری زمین کی سیر کرتے آتے ہیں بالکل اُسی طرح جیسے ہم زمین کو چھوڑ کر دوسرے سیاروں پر جانا چاہتے ہیں۔ پچھلی جنگِ عظیم کے دوران ایسی بہت سی خبریں آئیں کہ یہ عجیب و غریب اجسام فلاں فلاں جگہ دیکھے گئے۔ بعض لوگوں نے انھیں زمین پر اُترتے اور چڑھتے بھی دیکھا۔ ایسی کتابیں بھی شائع ہوئیں جن میں ایسے واقعات مع مقام اور تاریخ درج ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت سے لوگ ان خیالات کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب نظر کا دھوکا ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، ابھی کسی جگہ کوئی اُڑن تشتری اُس کے عملے کے ساتھ کہیں پکڑی نہیں گئی، اس لیے یہ ابھی ایک معمّا ہے۔

س: جب ہم نشاستے والی چیز کھاتے ہیں تو ہاضمے کا عمل کیسے اور کہاں سے شروع ہوتا ہے؟ محمد علی شیخ، نواب شاہ

ج: آپ نشاستے والی چیز کھائیں یا کچھ اور، ہر غذا کے ہاضمے کا عمل ہمارے منھ سے شروع ہو جاتا ہے یعنی ہمیں اُسے اچھی طرح چبانا چاہیے تاکہ وہ پس کر باریک ہو جائے اور ہمارے منھ کا لعاب اُس میں اچھی طرح شامل ہو جائے جو ہاضمے میں مدد دیتا ہے۔ منھ کے بعد یہ پتلی غذا ہمارے حلق سے اُتر کر ہمارے معدے میں پہنچتی ہے جہاں وہ چند گھنٹے ٹھیرتی ہے۔ ہمارا معدہ اُسے مزید باریک کرتا ہے اور اس میں کچھ رطوبت شامل کر کے اُسے ہماری آنت میں اُتار دیتا ہے اور وہ ایک لمبا سفر طے کر کے خارج ہو جاتی ہے۔ نشاستے دار چیزیں کھانے کے بعد ہمیں منھ صاف کر لینا چاہیے۔ مٹھاس سے دانتوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

س: دُوربین کس طرح دُور کی چیزوں کو نزدیک لاتی ہے۔ اور دُوربین کس نے اور کب ایجاد کی؟ عالیہ نسیم، لاہور

ج: چیز تو اپنی جگہ ہی رہتی ہے لیکن دُوربین سے ہم دُور سے اُس پر نظر ڈالتے ہیں تو اس چیز کا ایک بڑا عکس بن جاتا ہے، کیوں کہ دُوربین میں لینس یا عدسے لگے ہوتے ہیں۔ یہ

عدسے ہی دُور کی چیز کا بڑا عکس پیش کرتے ہیں۔ یہ عدسے جتنے زیادہ طاقت وَر ہوں گے، دُور کی چیز کا عکس بھی اتنا ہی بڑا بنے گا۔

عام طور سے گیلیلیو کو دُوربین کا موجد سمجھا جاتا ہے۔ وہ ایک اطالوی ہئیت داں، ماہر طبیعیات اور ماہر ریاضیات تھا۔ اس کا عرصۂ حیات ۱۵۶۴ء سے ۱۶۴۲ء تک تھا۔ اُس نے اپنی بنائی ہوئی دُوربین سے سیّارہ مشتری کے چار چاند دریافت کیے اور ہمارے چاند کے پہاڑوں کا سراغ لگایا۔

س: ہمیں چھینکیں کیوں آتی ہیں؟ عالیہ نسیم، لاہور

ج: چھینک ہمیں تن درست رکھنے کا ایک مؤثر دفاعی ہتھیار ہے۔ ہوا میں ہر وقت جراثیم بھرے ہوتے ہیں جن میں سے کچھ ہماری سانس کے ساتھ ہمارے جسم میں بھی داخل ہوتے رہتے ہیں۔ ناک کے اندر ایک نازک جھلّی ہوتی ہے۔ جب کسی بیرونی جرثومے، خُنکی، خوش بُو، یا کسی اور چیز کے ناک میں داخل ہونے کی وجہ سے اس جھلّی کو تحریک ہوتی ہے تو وہ اس بیرونی مداخلت کو خارج کرنے کے لیے اندر سے زور سے باہر پھینکتی ہے۔ اس قوّت کو ہم چھینک کہتے ہیں۔ اگر یہ مرض کی صورت اختیار نہ کرے تو چھینک ہمارے لیے مفید ہے۔

س: نظریۂ اضافیت کیا ہے؟ یہ کس نے پیش کیا؟ حسن مہدی خراسانی، کراچی

ج: نظریۂ اضافیت کی سائنس میں بڑی اہمیت ہے۔ خاص طور سے ایٹم کی بناوٹ اور کائنات پر تحقیق کرنے والوں کے لیے۔ یہ نظریہ ایک ماہر ریاضیات البرٹ آئنسٹائن نے پیش کیا تھا۔ جس کا نام دنیا بھر میں مشہور ہے۔ یہ نظریہ ۱۹۰۵ء میں اور پھر ۱۹۱۶ء میں پیش کیا گیا۔ اس کی خاص خاص باتیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ کسی بھی چیز کی رفتار اُس شخص کی رفتار پر منحصر ہے جو اُسے دیکھ رہا ہے۔

۲۔ روشنی کی رفتار ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور اس سے زیادہ رفتار کسی چیز کی نہیں ہو سکتی۔ جیسے جیسے کوئی متحرک جسم روشنی کی رفتار کے قریب پہنچتا ہے، اس کی لمبائی کم اور اُس کی کمیت زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔

۳۔ مادّہ اور توانائی ایک ہی چیز کی دو مختلف شکلیں ہیں۔ مادّہ توانائی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

احسان

عدیلہ کیانی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

"یہ لڑکا کون ہے؟" عاطف نے ایک بڑے بھولے بھالے سے بچّے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ڈرائیور سے پوچھا۔ ڈرائیور نے جواب دیا، "پتا نہیں چھوٹے صاحب! ویسے جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ اخبار بیچتا ہے۔"

اسکول سے چھٹّی کے بعد عاطف اپنی شان دار گاڑی میں گھر جا رہا تھا تو اُس نے اِس بچّے کو دیکھا تھا۔ وہ اسے بہت اچھا لگا تھا۔

دوسرے دن جمعرات تھی۔ اسکول سے چھٹّی ہوئی تو اس نے پھر لڑکے کو دیکھا اور گاڑی رُکوا کر اُسے آواز دی، "سُنو۔" لڑکا ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے! میں اتنے پیار سے بُلا رہا ہوں تمھیں اور تم ڈر رہے ہو۔" عاطف نے جب یہ کہا تو اس کا ڈر کچھ کم ہوا اور وہ آہستہ آہستہ عاطف کی طرف بڑھا۔ پھر عاطف نے اس

سے اس کا نام پوچھا تو اس نے بتایا: "جب اسکول میں پڑھتا تھا تو میرا نام عُمیر تھا مگر اب میں عَمّو ہوں۔" اس نے یہ بات اتنی معصومیت سے کہی کہ ڈرائیور بے اختیار ہنسنے لگا۔ عاطف نے مسکرا کر پوچھا، "کون سی کلاس سے پڑھنا چھوڑا ہے؟" "تیسری کلاس سے۔" "اور آگے کیوں نہیں پڑھا؟" عاطف نے سوال کیا۔

"آگے کیسے پڑھتا۔ امّاں نے مجھے کام پر جوڈال دیا تھا۔" عاطف نے سوچا کہ بڑی حیرت کی بات ہے۔ میری امّی تو کہتی ہیں صرف پڑھائی کیا کرو اور عمیر کی والدہ ..... "والد کیا کرتے ہیں تمھارے؟" عاطف نے پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ انتقال کر چکے ہیں۔ "چلیں چھوٹے صاحب۔" ڈرائیور نے عاطف کی لمبی گفت گو سے بیزار ہو کر کہا۔ عاطف نے بے پروائی سے جواب دیا، "اچھا چلتے ہیں۔" پھر اس نے عمیر سے اس کے گھر کا پتا پوچھا۔ اور عمیر سے کہا کہ چلو تمھیں گاڑی میں گھر چھوڑ دوں۔ عمیر نے بہت منع کیا لیکن عاطف نے اُسے زبردستی گاڑی میں بٹھالیا۔

گاڑی چل پڑی۔ راستے میں عاطف اس سے مسلسل اس کے حالات پوچھتا رہا۔ جب اس پر یہ انکشاف ہوا کہ عمیر کی والدہ نابینا ہیں تو اُسے بہت افسوس ہوا۔ اتنے میں اُس کا گھر آ گیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی عمیر کی والدہ کی آواز آئی، "آ گئے عمو بیٹا؟" "جی اماں جان۔" یہ کہہ کر عمیر عاطف کو ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ "تمھارے ساتھ کون ہے بیٹا؟" عمیر کی والدہ نے اُن کے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔ عاطف نے اُس کی والدہ کو سلام کیا۔ انھوں نے بڑے پیار سے جواب دیا اور اُسے بیٹھنے کو کہا۔ عاطف نے عمیر سے پوچھا، "تمھاری امّی جان کو کیسے پتا چلا کہ تمھارے ساتھ کوئی ہے جب کہ وہ تو....."

"ارے صاحب!" عمیر نے عاطف کی بات کاٹی۔ "کون کہتا ہے کہ میری والدہ نابینا ہیں۔ انھیں تو آنکھوں والوں سے زیادہ نظر آتا ہے۔" عمیر نے پتا نہیں یہ بات کیوں کہی مگر عاطف کو سچ لگی۔ اس نے عمیر سے کہا: "دیکھو میرا نام عاطف ہے۔ تم مجھے صاحب مت کہا کرو۔ میں تمھارا بڑا بھائی ہوں۔" تھوڑی دیر تک وہ تینوں باتیں کرتے رہے پھر عاطف نے عمیر کی والدہ سے پوچھا کہ آپ اس کو پڑھاتی کیوں نہیں ہیں؟

عمیر کی والدہ نے جواب دیا، "تم کیا کرو گے پوچھ کر بیٹا! تم تو خود بچّے ہو۔" مگر عاطف بار بار ان سے پوچھتا رہا۔ آخر عمیر کی والدہ نے اس کو ساری کہانی سُنا دی۔ ان کی کہانی سُن کر عاطف کو بڑا دکھ ہوا۔

جب عمیر تیسری کلاس میں پڑھتا تھا تو اس کے والد کا انتقال ہو گیا جو کسی فیکٹری میں معمولی سی تنخواہ پر ملازم تھے۔ عمیر کی والدہ نے گھر کا خرچ چلانے کے لیے ایک برف کے کارخانے میں نوکری کر لی۔ عمیر کے ایک ماموں ان کے ساتھ رہتے تھے مگر وہ عمیر کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی کسی بات پر ناراض ہو کر انھیں چھوڑ کر کہیں چلے گئے تھے۔ ایک دن عمیر کی والدہ کارخانے سے کام کر کے واپس آ رہی تھیں کہ اُن کو ایک حادثہ پیش آ گیا، جس سے ان کی بینائی جاتی رہی۔ ان حالات میں عمیر کو اپنی پڑھائی چھوڑنی پڑی۔ اس کی ماں نے چاہا کہ وہ پڑھائی نہ چھوڑے۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس کی پڑھائی کا خرچ چلاتی رہیں گی۔ مگر سارے حالات کو دیکھتے ہوئے عمیر نے خود ہی چھوٹی سی عمر میں پڑھائی چھوڑ کر کام کرنا شروع کر دیا اور اس طرح گھر کی دال روٹی چلنے لگی۔

اس دن عاطف نے گھر آ کر اپنی ممی سے بات کی۔ وہ چاہتا تھا کہ عمیر اور اس کی نابینا والدہ اس کے ساتھ اس کے گھر میں رہیں۔ اس کی ممی نے اس کی شدید مخالفت کی اور کہا، "اب تم اُس جیسے ہر بھکاری کو اُٹھا کر اپنے گھر لے آؤ گے؟" عاطف کو بھی ایک دَم غصّہ آ گیا۔ "ممی! بھکاری تو مت کہیں اُسے۔ میں ضرور اسے یہاں لاؤں گا۔ ممی پلیز! چلیے ہم انھیں اپنے سرونٹ کوارٹر میں جگہ دے دیں گے۔ اس طرح اِن کی کرائے کے مکان سے تو جان چھوٹے گی اور عمیر بھی اپنی توجہ صرف پڑھائی کی طرف کر سکے گا۔ یہ تو نیکی کا کام ہے۔"

آخر مسز احسان کو اپنے اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کی ضد کے آگے سَر جھکانا ہی پڑا۔ مگر دل سے انھوں نے کبھی بھی عمیر اور اس کی ماں کو اچھا نہیں سمجھا۔ انھوں نے صرف اپنے بیٹے کی خواہش پوری کی تھی۔ ان لوگوں سے انھیں کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ عاطف کے والد احسان صاحب بھی ایک نیک انسان تھے۔ انھوں نے اس معاملے میں

عاطف کی بھرپور حمایت اور مدد کی۔

اب عاطف نے گھر میں ایک نیا ہنگامہ شروع کر دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ عمیر کی والدہ کی آنکھوں کا اپریشن کرایا جائے۔ اس کی امّی تو کسی ایسی عورت پر اتنا رُپیہ خرچ نہیں کر سکتی تھیں جو ان کے معیار کی نہ ہو۔ انھوں نے اس بات کی سخت مخالفت کی تھی۔ اِدھر عاطف اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نیک کام کے بدلے میں ہمیں جو دعائیں ملیں گی وہ کیا کم ہیں۔ مگر اس کی امّی نے اُسے ٹال ہی دیا۔ عمیر کو عاطف نے کسی نہ کسی طرح اپنے ہی اسکول میں داخل کروالیا۔ ان کا اسکول ایک ہی تھا، مگر کلاسیں الگ الگ تھیں۔ امتحان میں عمیر بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوا۔ عاطف بے حد خوش تھا کہ اس کی محنت رنگ لائی اور عمیر محنت سے پڑھ رہا ہے۔

ایک دن عاطف کو عمیر کے اُستاد نے بُلایا اور شکایت کی کہ عمیر چند دِنوں سے اسکول کا کام نہیں کر رہا ہے۔ یہ سُن کر عاطف حیران رہ گیا۔ اس نے اسکول سے واپسی پر گاڑی میں بیٹھتے ہی عمیر سے پوچھا، "تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" عمیر نے جواب دیا، "میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تمھارے استاد نے مجھے بُلا کر تمھاری شکایت کی ہے کہ تم گھر کے لیے دیا جانے والا کام نہیں کر رہے ہو۔" عاطف نے آہستہ سے کہا۔ "کل کر لوں گا۔ آج جی نہیں چاہ رہا تھا۔" یہ کہہ کر عاطف نے کھڑکی سے باہر جھانکنا شروع کر دیا۔ عاطف خاموش ہو گیا۔

آہستہ آہستہ عمیر کی شکایتیں بڑھتی گئیں۔ کبھی کسی سے لڑائی جھگڑا، کلاس سے غائب ہونا، ہفتہ وار امتحان میں فیل ہونا، ہوم ورک نہ کرنا۔ دوسروں سے بدتمیزی کرنا، غرض اس کی شکایتوں کی گنتی نہ رہی۔

ایک دن عاطف عمیر کے کوارٹر میں گیا اور اس سے پوچھا، "کیا کر رہے ہو آج کل؟ تمھاری توجہ پڑھائی سے کیوں ہٹ گئی ہے؟ تمھیں تو اتنا شوق تھا پڑھائی کا؟" عمیر نے اس کو بڑی بدتمیزی سے جواب دیا: "کس کم بخت کو شوق تھا پڑھائی کا۔ زبردستی اُٹھا کر لے آئے مجھے! پڑھا کرو۔ کیوں پڑھا کروں؟" عاطف اس اچانک تبدیلی پر حیران تھا مگر اُسے غصّہ بھی آ رہا تھا۔ اُس نے کہا، "عمیر! ممّی ٹھیک کہتی تھیں۔ اصلیت کبھی ختم

نہیں ہوتی"۔ یہ کہتے ہوئے عاطف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ جلدی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد عمیر نے وہاں سے جانے کی تیاری شروع کر دی۔ اتفاق سے ان کا مکان ابھی تک خالی تھا۔ مکان مالک نے ان کی مجبوری کو دیکھتے ہوئے انھیں دوبارہ وہ مکان دے دیا۔ ایک ماہ گزر گیا۔ عمیر نے اخبار بیچنے کا کام دوبارہ شروع کر دیا۔ عاطف کبھی کبھار اُسے دیکھتا تھا اور سوچتا تھا کہ یہ کیسا انقلاب تھا۔ کیا عمیر کو اب پڑھائی کا شوق نہیں رہا؟ کیا اس نے وہی مشکل اور کٹھن زندگی گزارنے کے لیے اس کا ساتھ چھوڑا ہے؟ وہ عمیر کو بالکل نہ بھلا سکا۔ وہ اس سے اب بھی اتنا ہی پیار کرتا تھا جتنا پہلے کرتا تھا۔ وہ تو وقتی غصّہ تھا جس سے مجبور ہو کر وہ عمیر سے ناراض ہوا تھا۔ غصّہ تو انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔

وقت گزرتا گیا۔ عاطف اب کالج جانے لگا تھا، مگر کافی عرصے سے اس نے عمیر کو نہیں دیکھا تھا۔ ایک دن کالج سے واپسی میں عاطف کا ایکسی ڈنٹ ہو گیا۔ اس کو فوراً ہسپتال پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر نے اس کے والدین سے کہا کہ اس کے لیے خون کی ضرورت ہے۔ ان دونوں نے اپنا خون دینا چاہا مگر ان کا گروپ نہ مل سکا۔ ڈاکٹروں نے کسی نہ کسی طرح خون کا بندوبست کر لیا۔

جب عاطف کو ہوش آیا تو اُس نے اپنی ممّی کو دیکھا جن کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کے والد بھی وہاں موجود تھے۔ وہ بڑے فکرمند نظر آ رہے تھے۔ وہ ان دونوں کو دیکھ رہا تھا کہ ایک نوجوان لڑکا اُس کے قریب آیا۔ وہ عاطف پر جُھک کر بولا: "کیا حال ہے صاحب؟" اس کو دیکھ کر عاطف حیران رہ گیا۔ وہ عمیر تھا۔ اس کی ممی نے کہا، "عاطف بیٹا! یہ تمھارا بھائی ہے۔ اس نے تمھیں خون دیا ہے۔ اس نے خون دے کر تمھاری نہیں میری زندگی بچائی ہے۔ یہ آج سے میرا بیٹا ہے۔" عاطف کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

چند دِنوں بعد جب عاطف کو ہسپتال سے چھٹّی ملی تو عمیر اس سے ملنے آیا۔ عاطف نے اس سے پوچھا، "کہاں تھے تم اب تک؟" عمیر نے مختصر جواب دیا، "لاہور میں تھا۔ اب کراچی آیا ہوں۔ میں کالج میں بھی داخلہ لوں گا اور اپنے روٹھے ہوئے بھائی کو بھی

مناؤں گا۔"

عاطف نے پوچھا، "لاہور کیوں چلے گئے تھے؟" عمیر نے اسے تفصیل سے ساری بات بتائی:

"عاطف بھائی! جب ہم آپ کے گھر سے اپنے پُرانے مکان میں واپس پہنچے تو چند ماہ بعد میرے بچھڑے ہوئے ماموں ہمیں ڈھونڈتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ ماموں لاہور سے آئے تھے۔ وہاں وہ نوکری کرتے تھے۔ اُنھیں گھر اور رشتے داروں کی یاد نے ستایا تو واپس کراچی آ گئے اور پھر ہم ماموں کے ساتھ لاہور چلے گئے۔ اب میری ضد پر ہم ایک بار پھر کراچی واپس آ گئے ہیں۔ میرے ماموں کو دِل کی تکلیف ہو گئی تھی۔ ان کو لے کر میں ہسپتال آیا تھا۔ اتفاق سے میری نظر آپ پر پڑی۔ لوگ آپ کو اسٹریچر پر ڈال کر لا رہے تھے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ آپ کو خون کی ضرورت ہے تو میں نے دے دیا۔ بس یہ تھی میری کہانی۔ اب آپ سنائیے کیسے گزرے یہ دن؟" عاطف نے کہا، "بس، گزر ہی گئے۔ ایک بات اور بتا دو مگر سچ سچ۔ یہ بتاؤ اسکول سے پڑھنا کیوں چھوڑا تھا؟"

عمیر سنجیدہ ہو گیا۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ بات کو ٹال رہا ہے۔ عاطف نے اس سے کہا: "میری طرف دیکھو۔ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو۔" عاطف کے بہت زیادہ کہنے پر اس نے بتایا:

"آپ کو معلوم تھا نا عاطف بھائی کہ آنٹی کو میرا آپ کے ساتھ رہنا، گھومنا پھرنا اور دوستی کرنا پسند نہ تھا۔ مگر آپ کی ضد پر انھوں نے ہمیں اپنے گھر میں رکھ لیا تھا مگر ایک دن علاحدگی میں انھوں نے ہمیں گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اس بات کا آپ کو پتا نہ چلے۔ میں نے چند دِنوں کی مُہلت مانگی اور اس دوران ایسی غلط حرکتیں کیں اور آپ سے اتنا زیادہ بُرا رویّہ اختیار کیا کہ آپ کو مجھ سے نفرت ہو جائے اور آپ کو میرے جانے کا دکھ نہ ہو۔ اس طرح آپ کو مجھ سے نفرت ہوتی چلی گئی اور ایک دن میں نے آپ کا گھر چھوڑ دیا۔"

عاطف نے پوچھا، "مگر تم نے بتایا کیوں نہیں مجھے کہ ممّی نے تمھیں جانے کو کہا ہے؟" "اگر میں آپ کو بتا دیتا تو آپ کے دل میں اپنی ممّی کے لیے نفرت پیدا ہو جاتی۔

اگر نہ جاتا تو آپ کی ممّی میرے ساتھ ساتھ آپ سے بھی ضرور ناراض ہو جاتیں۔"

عاطف نے کہا، "تم کیا سمجھتے ہو، مجھے تمھارے جانے اور نہ پڑھنے کا کوئی دُکھ نہیں تھا۔ میں نے اتنی مشکل سے ممّی کو منا کر تمھیں اپنے پاس رکھا تھا۔ تمھیں میرا کوئی بھی احساس نہ تھا۔"

عمیر نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا، "تھا عاطف بھائی! ضرور تھا۔ اسی لیے تو میں نے چاہا تھا کہ میرے محسن کی جنّت اُس سے نہ روٹھے۔ ایک دفعہ اعتماد اور پیار ختم ہو جائے تو پھر مشکل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ میرے لیے آنٹی سے جھگڑا کریں۔ ماں کے ساتھ اگر ذرا سی بھی بدتمیزی کی جائے تو اللہ بھی ناراض ہو جاتا ہے۔ جس کی ماں اس سے ناراض ہو جائے اس پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ میں کیوں یہ چاہتا کہ میرے محسن کو کوئی نقصان پہنچے۔ مگر اب آنٹی بدل چکی ہیں۔ وہ اب مجھے اس نگاہ سے نہیں دیکھتیں جس سے چند سال پہلے دیکھتی تھیں۔" جب عمیر اپنی بات ختم کر چکا تو عاطف بولا: "عمیر! میں تمھارا محسن نہیں تم میرے محسن ہو۔ تم نے وہ کام کیا اور وہ قربانی دی جس کا میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تمھاری وجہ سے ممّی کی کئی عادتیں بدل گئی ہیں۔ رشتوں کا احترام کرنا انسان کی سب سے بڑی خوبی ہے اور وہ تم میں ہے۔ تم نے اپنا مستقبل صرف اور صرف میرے لیے اور میری ممّی کے لیے داؤ پر لگا دیا۔ عمیر تم بہت عظیم ہو۔"

عمیر نے مسکراتے ہوئے کہا، "اچھا چلیے چھوڑیے ان باتوں کو۔ میں اب چلتا ہوں۔ ماموں اور اماں انتظار کر رہے ہوں گے۔"

عاطف نے کہا: "چلو میں بھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔" اور دونوں دوست ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چل پڑے۔

علم ایک انمول دولت ہے۔ یہ جتنی زیادہ دوسروں کو دی جاتی ہے اتنی ہی بڑھتی ہے۔ یہ ایک ایسی دولت ہے جس سے ہر شخص مالا مال ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس ہمارے ملک کی اکثریت اس دولت سے محروم ہے۔ علم کے لیے تو چین جانا اور وہاں سے علم حاصل کرنا بھی درست ہے۔

مرسلہ: سلیمہ زیدی، کراچی

معلوماتِ عامہ ۲۷۱

اس بار بھی سوالات کی تعداد دس ہے۔ تصویر میں صرف دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی شائع کی جائیں گی۔
نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کئے جائیں گے۔ جوابات ۲۰ نومبر ۱۹۸۸ء تک ہمیں بھیج دیجیے۔
جوابات کے نیچے اپنا نام، پتا اور تصویروں کے پیچھے اپنا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔

۱۔ ۱۰ ہجری مطابق ۶۳۳ء کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کیا تھا۔ تاریخ میں اس کو کس نام سے یاد کیا جاتا ہے؟

۲۔ بہشتی زیور کس کی تصنیف ہے؟

۳۔ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل تو قائدِ اعظم تھے۔ دوسرے گورنر جنرل کون تھے؟

۴۔ ہندوستان کی تاریخ میں ایک مسلمان بادشاہ ایسا گزرا ہے جس کو درویش بادشاہ کہتے ہیں۔ اس کا نام بتائیے۔

۵۔ بلوچستان میں دولھا یا دلھن کی تعریف میں گائے جانے والے گیت کو بلوچی میں کیا کہا جاتا ہے؟

۶۔ دنیا میں زیادہ سے زیادہ اونچائی پر واقع زندہ آتش فشاں چوٹی کا نام "کوتوپاکسی" ہے۔ یہ سطح سمندر سے ۱۹۶۱۲ فیٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کس ملک میں واقع ہے؟

۷۔ روسی خلاباز کتنی بار چاند پر گئے ہیں؟

۸۔ وھیل کے پیٹ سے کون سا خوش بُودار مادّہ حاصل ہوتا ہے؟

۹۔ چارلس ڈیگال کس ملک کے صدر تھے؟

۱۰۔ اس حیاتین (وٹامن) کا نام بتائیے جو ہڈیوں اور دانتوں کی صحت کے لیے ضروری ہے۔

سکندر اعظم

مجیب الرحمان آگرو

قدیم زمانے کا سب سے بڑا بادشاہ، سب سے بڑا سپہ سالار اور مشہور فاتح سکندر اعظم ۳۵۶ قبل مسیح میں مقدونیہ (یونان) کے شہر پیلا میں پیدا ہوا۔ والد فیلقوس مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ ماں کا نام اولمپیاس تھا۔ تعلیم اس وقت کے سب سے بڑے فلسفی اور افلاطون کے شاگرد ارسطو سے حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے والد کی فوج میں ایک دستے کا سالار مقرر ہوا۔ اپنے باپ کے ساتھ سب سے پہلے جس جنگ میں شرکت کی وہ ایتھنز (جو اس وقت یونان کا دارالحکومت ہے) کے قریب کائی رونیا کے میدان میں ہوئی۔ اس جنگ سے پہلے صرف مقدونیہ (جو کہ یونان کا حصّہ تھا) تک فیلقوس کا قبضہ تھا۔ باقی یونان پر فیلقوس کے دشمن ڈیماستھینز کا اثر تھا۔ کائی رونیا کی فتح کے بعد پورے یونان پر فیلقوس کا قبضہ ہو گیا۔

۳۳۶ قبل مسیح میں اپنے والد کے قتل کے بعد سکندر تخت نشین ہوا۔ ملک کی اندرونی شورشوں کو ختم کرنے اور حالات کو ٹھیک کرنے کے بعد سکندر نے ایران پر حملہ کیا جسے اس کا باپ فتح کرنا چاہتا تھا۔ ۳۳۴ قبل مسیح میں دریائے گرینی کس کے کنارے ایران کی فوج کو پہلی شکست دی۔ اسس کے مقام پر ایرانیوں کو دوسری زبردست شکست دی۔ ۳۳۲ قبل مسیح میں مصر فتح کر کے شہر اسکندریہ کی بُنیاد رکھی اور فرعونِ مصر کا لقب اختیار کیا۔

۳۳۱ ق م میں ایران کے شہنشاہ دارائے اعظم کو زبردست شکست دے کر اکتابانا، بابل اور دوسرے اہم ایرانی مقامات پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد تختِ جمشید (پرسی پولس) پر حملہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ یہیں اسے مال و دولت کے بے اندازہ خزانے سکندر کے ہاتھ آئے۔ دولت پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے شہر کو جلانے کا حکم دیا۔ اس شہر کے کھنڈرات اب بھی ایران میں موجود ہیں۔ اسی عرصے میں اسے اطلاع ملی کہ دارا یوش سوم کو اس کے ایک جنرل بسوس نے قتل کر دیا ہے۔ سکندر اس مقام پر پہنچا جہاں دارا کی لاش پڑی تھی۔ اس نے شہنشاہ کو شاہی آداب

کے ساتھ دفنایا اور اسی مقام پر اپنے شہنشاہ ایران ہونے کا اعلان کیا۔

ایران پر قبضہ کرنے کے بعد سن ۳۲۴ قبل مسیح میں سکندر درّۂ خیبر کے راستے سے دریائے سندھ پار کر کے ہندوستان میں داخل ہوا۔ ٹیکسلا کے راجا امبھی نے بغیر جنگ کے اس کی اطاعت قبول کی۔ یہیں اسے اطلاع ملی کہ دریائے جہلم کے ارد گرد کے علاقے کا حاکم پورس اس کے مقابلے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ سکندر نے دھوکے سے راجا پر حملہ کر کے اسے شکست دی۔

چناں چہ جب پورس اس کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا تو سکندر نے اس سے پوچھا کہ تم سے کیا سلوک کیا جائے؟ پورس نے کہا کہ جو سلوک بادشاہ بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ سکندر اس کے جواب سے بہت خوش ہوا اور نہ صرف اس کا علاقہ بلکہ پورا پنجاب اس کی نگرانی میں دے دیا۔ اسی جنگ میں سکندر کا وہ وفادار گھوڑا مر گیا جو بچپن سے اس کے ساتھ تھا۔ اس گھوڑے کا نام بیوسی فالس تھا۔ سکندر نے گھوڑے کو دریائے جہلم کے کنارے دفنایا اور اسی کے نام سے یہاں ایک شہر آباد کروایا جس کا نام بیوسی فالا رکھا، جو بعد میں کسی وجہ سے ختم ہو گیا۔ جہلم کے بعد سکندر نے فوج کو دریائے بیاس پار کرنے کا حکم دیا تو فوج نے انکار کر دیا، کیوں کہ طویل جنگوں سے فوج بہت تھک چکی تھی۔ چناں چہ اس نے فوج کے دو حصّے کیے۔ ایک حصّے کو پانی کے راستے وطن بھیج دیا اور خود باقی فوج لے کر سندھ کے راستے سے بابل روانہ ہوا۔ سندھ میں اس نے سیوھن کو فتح کرنے کے بعد وہاں ایک قلعہ تعمیر کروایا، جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ پھر وہ پٹالا روانہ ہوا۔ اسے فتح کرنے کے بعد وہ آگے بڑھا۔ جس جگہ دریائے سندھ سمندر میں گرتا ہے وہاں اس نے مذہبی رسومات ادا کیں اور پھر بابل روانہ ہوا۔

سکندر بابل کو اپنی عظیم سلطنت کا مرکز بنانا چاہتا تھا مگر موت نے اسے مُہلت نہ دی۔ بابل میں پہنچنے کے فوراً بعد وہ ملیریا بخار میں مبتلا ہو گیا اور یہیں دریائے دجلہ کے کنارے واقع محل بخت نصر میں ۳۲۳ ق م میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی لاش کے تابوت کو مصر بھیجا گیا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ۳۲ سال ۸ مہینے تھی۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو اس کی موت کے وقت چند مہینے کا تھا۔ سکندر کی موت کے چھے سال بعد اس کے بیٹے اور اس کی ماں کو اس کے ایک جنرل کیسنڈر نے ڈبو کر مار دیا اور اس کے بعد اس کے جنرلوں نے اس عظیم سلطنت کو چار حصّوں میں تقسیم کر کے آپس میں بانٹ لیا۔

بزمِ ہمدرد نونہال

مرزا ظفر بیگ

- آزادی حاصل کرنا بے شک ایک مشکل کام ہے، مگر اس کی حفاظت کرنا اس سے بھی مشکل کام ہے۔
- صوبہ پرستی کی لعنت کو مٹانا ہے، قومی وحدت کو اپنا کے پاکستان کو بچانا ہے۔
- تاریخ گواہ ہے کہ ہم میں ہمیشہ ایسے ماں باپ موجود رہے ہیں جن کا ایک بیٹا ملک و قوم پر قربان ہو گیا تو انھوں نے دوسرے بیٹے کو آگے کر دیا۔ ہماری ماؤں اور بہنوں نے ہمیشہ اپنی ممتا اور محبت کو ملک کی خاطر قربان کیا ہے۔
- پاکستان ہم نے حاصل کر لیا ہے مگر اس کی حفاظت کی جنگ ابھی جاری ہے۔
- ہم نونہال پاکستان کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ ہم اس کی حفاظت نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔
- اس قوم کا ہر بچہ سپاہی ہے۔ اس قوم کا ہر نونہال مجاہد ہے۔
- تلوار کا بوجھ تو ہم نونہال نہیں اُٹھا سکتے، مگر قلم کا بوجھ ضرور اُٹھا سکتے ہیں۔ ہم قلم سے جنگ

مہمانِ خصوصی بیگم ثاقبہ رحیم الدین نونہال مقرر نجیب الحسنین کو انعام دے رہی ہیں

لڑیں گے۔

یہ تھے وہ پُرجوش جذبات، ولولہ انگیز احساسات اور عزم و ہمّت سے بھرے خیالات جن کا اظہار نونہالوں نے ۶ ستمبر ۸۸ء یوم دفاعِ پاکستان کے موقع پر کراچی میں منعقدہ "یزم ہمدرد نونہال" میں کیا۔ وہ دھواں دھار تقریریں ہوئیں کہ لوگ دَنگ رہ گئے۔ دراصل بہت سے بڑوں کو شاید یہ اندازہ نہیں کہ ان کے یہ ننھے منّے نونہال پاکستان سے کتنی محبّت کرتے ہیں۔ اتنی چھوٹی عمر میں اتنی معلومات اور ایسے خیالات بڑی تسکین کا باعث ہیں۔

اس محفل کی مہمانِ خصوصی تھیں محترمہ بیگم ثاقبہ رحیم الدین خاں۔ بیگم صاحبہ کئی کتابوں کی مصنّفہ بھی ہیں۔ ادب سے آپ کا گہرا اور بہت پُرانا تعلق ہے۔ کتاب دوست ہیں۔ علم و ادب کی قدر دان ہیں۔ اعلا اخلاق و کردار کی مالک ہیں۔ بچّوں کی تعلیم اور ادب سے دِل چسپی ان کو اپنے والد محترم ڈاکٹر محمود حسین صاحب سے ورثے میں ملی ہے۔ مہمانِ خصوصی وقتِ مُقرّرہ سے پانچ منٹ پہلے ہال میں موجود تھیں۔ ٹھیک ساڑھے چار بجے نونہالوں کے دوست اور ہمدرد جناب حکیم محمد سعید بھی تشریف لے آئے۔ آج حکیم صاحب کچھ تھکے تھکے سے نظر

آرہے تھے۔ بات یہ تھی کہ کئی روز سے حکیم صاحب کو بخار تھا۔ مگر اس کے باوجود نہ صرف بزم ہمدرد نونہال میں شریک ہوئے بلکہ وقت کی پابندی کا اپنا رکارڈ بھی برقرار رکھا۔ جناب تصویر حسین حمیدی نے ایک نونہال ذیشان علی کو تلاوتِ کلام پاک کی دعوت دے کر بزم کا آغاز کیا۔ تلاوت کے بعد نونہال نعت خواں فائزہ خاں نے نعتِ رسول مقبولؐ پیش کی۔ اس کے بعد نونہال ہمدرد آمنہ راشد منیر نے شہید صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو پُرزور خراج عقیدت پیش کیا۔ آمنہ راشد نے کہا کہ جنرل صاحب نے جو پیار اور شفقت ہم لوگوں کو دی ہے وہ ہم کبھی نہیں بھول سکیں گے۔ آج غم اور صدمے سے ہمارے دل چُور چُور ہیں مگر ہم روئیں گے نہیں، کیوں کہ شہیدوں کے لیے رویا نہیں کرتے۔

اب نونہالوں کے دوست جناب حکیم محمد سعید صاحب نے تقریر شروع کی۔ حادثۂ بہاول پور کو پاکستان کا ایک بہت بڑا نقصان قرار دیا۔ آپ نے دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو ہر قسم کی مصیبت سے بچائے۔ حکیم صاحب نے اس موقع پر بزم ہمدرد نونہال کا مقصد بھی دہرایا۔ آپ نے کہا کہ ہم آج کے بچّوں کو کل کا رہنما بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

حکیم صاحب نے فرمایا کہ آج کے دن پاکستان کے جیالوں نے اپنے سے زیادہ طاقت ور دشمن کو اپنی سرحدوں سے دھکیل کر تاریخ میں ایک روشن مثال قائم کر دی۔ آج اس کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہمارے نونہال یہاں جمع ہیں۔ نونہال بولتے ہیں اور خوب بولتے ہیں۔ بڑوں سے بہتر اور بے دھڑک بولتے ہیں۔ حکیم صاحب نے نونہالوں کو آزادی کی قدر و قیمت بتاتے ہوئے کہا:

"ہر قوم کے دو بڑے عنوان ہوتے ہیں۔ آزادی اور آزادی کی حفاظت۔ آزادی سے بڑی نعمت اور راحت کوئی نہیں اور غلامی موت ہے۔" حکیم صاحب نے وہ واقعہ بھی بتایا جس میں کسی ملک کے نمائندے نے ترکی کے مندوب سے پوچھا تھا:

"ترکی کی فوج کی تعداد کتنی ہے؟" ترکی کے نمائندے نے جواب دیا تھا کہ ہمارا ہر آدمی فوجی ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ پاکستان کا ہر بچّہ، ہر بوڑھا اور ہر جوان بھی مجاہد ہے۔ اس بات پر ہال میں موجود تمام نونہالوں اور بڑوں نے زوردار تالیاں بجائیں۔ حکیم صاحب کی تقریر ختم ہوئی تو ہیپّی ہوم اسکول کے کیمبرج سیکشن کے نونہالوں نے نغمہ پیش کیا:

ہم شمع وطن کے پروانے ہم عزم و عمل کے پیمانے
محنت اپنی دنیا جانے جرأت اپنی دشمن مانے
نونہال زندہ باد — نونہال زندہ باد

نغمے کے بعد نمازِ عصر کے لیے وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد نونہالوں نے "ہم نونہال پاکستان کی حفاظت کرنا جانتے ہیں" کے موضوع پر بڑی پُرجوش اور دھواں دھار تقریریں کر کے محفل کو گرم کر دیا۔ لوگ اُن کے خیالات سُن کر اَش اَش کر اُٹھے۔ ان نونہال مقرروں میں شازیہ راج (ایس۔ایم۔ پبلک اسکول) محمد فراز خاں (دی سٹی اسکول) رابعہ سعید (صفیہ خاں میموریل گرلز اسکول) نجیب الحسنین (سینٹ پال اسکول) محمد عارف (جامعہ ملیہ پائلٹ اسکول) ناجیہ ربانی (عظیم چلڈرن پیراڈائز اسکول) نیلم اقبال (آغا خان پرائمری اسکول) اور بینا سکندر (گرینڈ فوکس انگلش اسکول) شامل تھے۔ ان کی تصویریں سرورق کی زینت ہیں۔

جوشیلی اور حُبِ وطن سے بھرپور تقریریں ختم ہوئیں تو مہمانِ خصوصی بیگم ثاقبہ رحیم الدین

نونہال قاری ذی شان علی — نونہال نعت خواں فائزہ خاں

خاں نے اپنے مخصوص دھیمے دھیمے انداز میں حاضرین سے خطاب کیا۔ آپ کے لب و لہجے میں اتنی مٹھاس، اتنی آہستگی اور اتنی کشش تھی کہ بزم پر سناٹا طاری ہو گیا۔ کیا بڑے کیا چھوٹے سب بالکل کھو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بچّوں کی ابتدا میں تربیت صحیح خطوط پر ہو تو اس کا گہرا اثر ہمیشہ ان کی شخصیت پر قائم رہتا ہے۔ حکیم صاحب نے شروع سے ہی بچّوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت پر بھرپور توجہ کی ہے۔ "رسالہ ہمدرد نونہال" اور "بزم ہمدرد نونہال" سے آج ہر بڑا چھوٹا اچھی طرح واقف ہے۔ آپ نے حکیم صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو مبارک باد دی۔

بیگم ثاقبہ رحیم الدین نے بچّوں سے کہا کہ آپ گھر جا کر اللہ کا شکر ضرور ادا کریں کہ آپ بے حد خوش نصیب ہیں۔ آپ نے ملک کے دُور دراز اور پس ماندہ علاقوں کا ذکر بھی کیا جہاں کے بچّوں کو تعلیم تو کیا پانی جیسی زندگی کی بُنیادی ضرورت بھی میسر نہیں ہے۔ آپ نے ۶ ستمبر کو تاریخ کا روشن باب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"اس موقع پر ایک بات یاد رکھیے۔ ہر انسان کے اندر ایک سپاہی ہوتا ہے۔ وہ سرحدوں پر نہیں بلکہ اس کے دل میں ہوتا ہے۔ یہ اندر کا سپاہی محبّت پھیلاتا ہے، امن بانٹتا ہے۔ اس سپاہی کو جگائے رکھیے اور اس سپاہی کو مضبوط بنائیے۔"

بیگم صاحبہ نے اس موقع پر اپنے بچپن کا ایک دل چسپ واقعہ بھی سنایا۔ آپ نے کہا جب میں تقریری مقابلے میں حصّہ لینے جا رہی تھی تو میری دوستوں نے کہا کہ زور زور سے ہاتھ اُٹھا کر بولنا، گھونسا لہرانا، ڈیسک بجانا، نعرے لگانا اور جوشیلے انداز میں تقریر کرنا۔ میں نے یہی کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میں جوش میں اسٹیج سے نیچے گر گئی۔ لوگوں نے مجھے اُٹھا کر دوبارہ اسٹیج پر پہنچایا۔ اس دن کے بعد سے میری سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ حد سے زیادہ جوش زیادہ اونچی آواز اور زیادہ ہاتھ ہلانے سے تقریر زیادہ مزے دار نہیں ہوتی۔ کیسی ہی بات ہو دھیمے انداز سے کہنی اچھی رہتی ہے۔ زیادہ جوش میں جو تقریر کی جاتی ہے اس کے الفاظ لوگوں کو سُنائی نہیں دیتے۔ آپ نے بچّوں سے کہا کہ یہ سب باتیں میں آپ لوگوں سے ایک

صفیہ خان میموریل اسکول کی نونہال ملّی نغمہ پیش کر رہی ہیں۔

ماں کی حیثیت سے کہہ رہی ہوں۔ آپ اس قسم کی تقریروں اور تقریبوں سے صرف معلومات ہی حاصل نہ کیجیے بلکہ ہارنے اور جیتنے کے آداب بھی سیکھیے۔ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو ضرورت مندوں کی مدد کیجیے۔ آپ یہ نہ سمجھیے کہ آپ بہت چھوٹے ہیں، اس لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ بہت کچھ کر سکتے۔ اپنی بساط کے مطابق آپ کے پاس کرنے کے لیے بہت سے کام ہیں۔

اب کوئز پروگرام شروع ہوا۔ نونہالوں سے دفاعِ پاکستان کے حوالے سے سوالات پوچھے گئے۔ نونہالوں نے زیادہ تر صحیح جواب دیے اور انعام حاصل کیے۔ رسالہ ہمدرد نونہال کے مدیر اعلا اور بچّوں کی جانی پہچانی شخصیت جناب مسعود احمد برکاتی اسٹیج پر آئے۔ وقت بہت ہو چکا تھا، اس لیے آپ نے فرمایا کہ آج نونہالوں سے بہت کچھ کہنے کو جی چاہ رہا تھا، مگر وقت چوں کہ بہت ہو چکا ہے، اس لیے میں صرف آپ کا شکریہ ہی ادا کر سکتا ہوں۔ تقریب کے آخر میں نونہال مقررین کو انعامات دیے گئے۔ بزم کے آخر میں سب مہمانوں کی چائے کیک سے تواضع کی گئی۔

یہ بھی پڑھیے

سید یوسف نصر اللہ

☆ ٹیلسٹر (TELSTER) (۱۹۶۲ء) پہلا تجرباتی سیارہ تھا جس سے پہلی مرتبہ شمالی امریکا اور یورپ کے درمیان ٹیلے وژن کے سگنل نشر کیے گئے۔

☆ پرنٹنگ مشین (چھاپہ خانہ) ایک جرمن گٹن برگ کی ایجاد ہے۔

☆ ۸۔اگست ۱۹۵۳ء کو روس نے ہائیڈروجن بم ایجاد کیا تھا۔

☆ ملٹری ٹینک کے موجد کا نام ارنسٹ سونٹن (ERNEST SWINTON) ہے۔

☆ افریقہ کا گرے طوطا دوسرے پرندوں سے زیادہ بولتا ہے۔

☆ چیونٹی کے کاٹنے سے سوجن ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں فارمک ایسڈ ہوتا ہے۔

☆ بلیک وڈو (BLACK WIDOW) سب سے زیادہ زہریلی مکڑی ہوتی ہے۔

☆ انسانی جسم میں ۶۳۹ پٹھے (عضلات) ہوتے ہیں۔

☆ انسانی جسم میں موجود اعصاب کو اگر باہر پھیلایا جائے تو یہ ۹۰۵ میل لمبے ہوں گے۔

☆ زمین کا قطر ۸۰۰۰ میل ہے۔

☆ دودھ میں لیکٹک ایسڈ ہوتا ہے۔

☆ ۱۹۴۲ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکا میں پہلا ایٹمی ری ایکٹر قائم کیا گیا۔

☆ مشتری نظام شمسی کا سب سے بڑا سیارہ ہے۔

☆ الیگزینڈر فلیمنگ نے پنسلین دریافت کی۔

☆ ٹرانٹولا (TRANTULA) اٹلی کی ایک مکڑی ہے۔

☆ سائنائڈ سب سے زیادہ زہریلی گیس ہے۔

☆ بحرالکاہل دنیا کا سب سے گہرا سمندر ہے۔

☆ ہیلیم سب سے ہلکی گیس ہے۔

☆ کیچوے کی شکل کے کیڑے اندھے ہوتے ہیں لیکن وہ روشنی کو محسوس کر لیتے ہیں۔

مِسواک

ہمدرد انٹرنیشنل ٹوتھ پیسٹ

درخت پیلو/مسواک کی بہ حیثیت محافظِ دنداں سب سے پہلے غیبی دریافت ارضِ قرآن اور مطلعِ اسلام مدینۂ منورہ میں ہوئی اور پھر عہد بہ عہد متعدد تہذیبوں نے اور مختلف ثقافتوں نے مسواک کی سُنّت اور بے انتہا افادیت سے ہمیشہ فیض پایا ہے۔ آج کہ سائنس انکشافات کی عظمتوں کو پا رہی ہے اور انکشافات کی رفعتوں کو چھو رہی ہے، عصری سائنس نے مسوڑھوں کی صحت اور دانتوں کی حفاظت کے لیے پیلو/مسواک کی افادیت کی بہ ہمہ وجوہ تائید کی ہے۔

ہمدرد کو یہ امتیاز حاصل ہوا ہے کہ اس نے بہ ہمہ تحقیقاتِ سائنسی محافظِ دنداں درخت پیلو/مسواک سے اپنی سائنسی لیبورٹریوں میں پہلے ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا اور پھر اب پیلو فارمولے سے بین الاقوامی ٹوتھ پیسٹ 'مسواک' پیش کیا اور تمام دنیا کے لیے حفاظتِ دنداں کا سامان کیا۔

مِسواک

ہمدرد انٹرنیشنل ٹوتھ پیسٹ

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

پیلو کے بڑے سائز کے طور پر اب پاکستان میں مسواک بھی دستیاب ہے۔

اداراخلاق

پاکستان سے محبت کرو۔ پاکستان کی تعمیر کرو

تم اس بار بھی امتحان میں فیل ہو گئے!
تمہارے ابو تمہاری عمر میں اسکول کے سب سے ذہین طالب علم تھے۔
سر، مگر وہ تو آپ کی عمر میں ٹرانزیکٹر تعلیم بن چکے تھے۔ مگر آپ.....
جب میں ملازم سے پھل منگواتا ہوں تو وزن میں کم کیوں نکلتے ہیں؟
جناب! آئندہ اس کو پھل لینے کے لیے بھیجنے سے پہلے اور بعد میں اس کا وزن کروالیا کریں۔ پھل کم ہونے کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔

نونہال مصوّر

سعدیہ اکرم، لاہور

ساجدہ سرور، ہری پور

ناصر علی جعفری، سیال کوٹ

محمد نوید احمد، کراچی

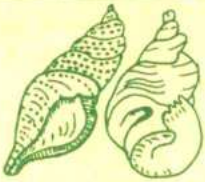

صابر ریاض، کراچی

مہ وش سلیمان

ندیم احمد خانزادہ، سکرنڈ

بیہ ریا اسحاق، کراچی

قیصر محمود، مانسہرہ

شیرازی محمود، کراچی

ماریہ مقصود، کراچی

مُسکراتے رہو

● ایک شخص دفتر سے کچھ سرکاری کاغذات لایا۔ اس کے بچے ان کاغذات کو اُلٹ پلٹ کرنے لگے تو باپ نے کہا "یہ سرکاری کاغذات ہیں۔ انھیں ہاتھ مت لگاؤ۔"

اچانک اِن کاغذات میں سے ایک کیڑا نکل آیا۔ ایک بچہ اُسے مارنے دوڑا تو دوسرا بولا "اسے ہاتھ مت لگا یہ ابّو کا سرکاری کیڑا ہے۔"

مرسلہ: شازیہ صابر، لاہور

● ایک مریض ڈاکٹر کی دُکان پر چلاّ رہا تھا "ہائے میں مَر گیا، ہائے میں مَر گیا۔"

ایک اور مریض: "خاموش رہو۔ مَرے ہوئے لوگ زیادہ نہیں بولا کرتے۔" مرسلہ: شہلا نورین، جہلم

● بادشاہ نے اپنے مسخرے ملازم سے کہا: "رات میں نے خواب میں دیکھا کہ تم گندے پانی میں اور میں شہد میں نہا رہا ہوں۔"

مسخرے نے فوراً جواب دیا: "حضور، میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ مجھے اور میں آپ کو چاٹ رہا ہوں۔" مرسلہ: سید امجد علی، کراچی

● استاد: (شاگرد سے) تمھارے ابّو تمھیں جیب خرچ کے لیے کتنے پیسے دیتے ہیں؟

شاگرد: وہ تو کچھ نہیں دیتے، امی ہم دونوں کو ۵۰ پیسے روز دیتی ہیں۔

مرسلہ: حمیرا رفیق، کراچی

● بیوی: (اپنے کاہل شوہر سے) تم کاہلی کے بین الاقوامی مقابلے میں سونے کا تمغا جیت سکتے ہو۔

شوہر: (انگڑائی لیتے ہوئے) ہاں، مگر کون حصہ لے۔ مرسلہ: نصیر احمد قریشی، بھریا شہر

● ناصر: کیا وقت ہوا ہے؟

عامر: ایک بج کر ایک منٹ ہونے میں ابھی ایک منٹ باقی ہے۔

مرسلہ: سعدیہ شائق، حیدر آباد

● مجسٹریٹ: جب اس شخص نے تمھیں گھونسا مارا تو پھر کیا ہوا؟

مُدعی: پھر اس نے چھٹا، آٹھواں، دسواں اور بارھواں گھونسا مارا۔

مجسٹریٹ: اور وہ دوسرا، تیسرا، چوتھا، پانچواں، ساتواں، نواں اور گیارھواں گھونسا؟"

مُدعی: (آہستہ سے) حضور وہ میں نے مارے تھے۔

مرسلہ: سید محمد احمد، لاڑکانہ

● ایک وکیل (دوسرے وکیل سے) میرے موکل کی حرکت دیکھی؟

دوسرا وکیل: کیا ہوا؟

پہلا وکیل: میں نے اسے جعلی نوٹوں کے مقدمے میں بَری کرایا، وہ کم بخت مجھے فیس میں وہی نوٹ دے گیا۔

مرسلہ: سید عبدالوہاب، کوئٹہ

● باپ (بیٹے سے) غم نہ کرو۔ یہ تو تقدیر کی بات ہے۔ تمھاری تقدیر میں فیل ہونا لکھا تھا، تم فیل ہو گئے۔

بیٹا خوش ہو کر: یہ تو بہت اچھا ہوا کہ میں نے محنت نہیں کی ورنہ ساری محنت بے کار ہو جاتی۔

مرسلہ: فخرالدین، کراچی

● ایک ننھی لڑکی نے پہلی مرتبہ ٹیلے فون پر اپنے باپ کی آواز سُنی تو رونے لگی۔ ماں نے پوچھا تو کہنے لگی، "امّی! اب ہم ابّو کو ان سوراخوں میں سے کیسے نکالیں گے۔"

● ایک عورت دُکان دار کو بچّہ گاڑی کی آخری قسط ادا کر رہی تھی۔ دُکان دار نے پوچھا، "محترمہ! قسطیں تو پوری ہو گئی ہیں، بچّے کا کیا حال ہے؟" عورت بولی، "شکر ہے آپ نے یاد کرا دیا۔ بچّہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ یہ لیجیے اس کی شادی کا دعوت نامہ۔ ضرور آئیے گا۔"

مرسلہ: حسن مہدی خراسانی، کراچی

● شاعر: (بیوی سے) میں اپنے شعروں سے دنیا بھر میں آگ لگا سکتا ہوں۔

بیوی: پہلے ذرا ایک شعر سے چولھا تو جلا دو۔

مرسلہ: فوزیہ فرقان اسلام، حیدرآباد

● ایک دوست (دوسرے دوست سے) اتنی سی بات تو ایک گدھا بھی سمجھ سکتا ہے۔

دوسرا (پہلے سے) جبھی تم سمجھ گئے اور میں نہ سمجھ سکا۔

● ایک نوجوان ایک دفتر میں گھس گیا اور پریشانی سے بولا، "مجھے کہیں چھپا لو کچھ بدمعاش میرا پیچھا کر رہے ہیں۔"

کلرک بولا، "میرے خیال سے تم فائلوں کی الماری میں چھپ جاؤ، کیوں کہ وہاں سے کوشش کے باوجود کوئی چیز نہیں ملتی۔

مرسلہ: محمد اقبال، اورنگی ٹاؤن

● ایک امیر آدمی نے غریب سے کہا: تمھیں معلوم ہے۔ میرا نام کیا ہے؟

غریب: نہیں جناب۔

امیر: نالائق، بے وقوف.....

غریب: (ہاتھ جوڑتے ہوئے) بس، بس، اب معلوم ہو گیا۔

مرسلہ: عبدالرشید اچکزئی، چمن

گاہک: (دودھ والے سے) کل جو تم نے مجھے دودھ دیا تھا اس میں سے تو ایک مچھلی بھی نکلی تھی۔

دودھ والا: دراصل بات یہ ہے کہ کل سارے محلّے کے نل بند تھے۔ مجبوراً مجھے دودھ میں دریا کا پانی ڈالنا پڑا۔

مرسلہ: محمد ایوب ماکو، سکھر

● ایک کروڑپتی اخباری نمائندوں کو انٹرویو دیتے ہوئے کہہ رہا تھا:

"میں نے کاروبار کی ابتدا گھروں میں پالتو کبوتروں کی سپلائی سے کی تھی۔"

سوال کیا گیا: "شروع میں آپ نے کتنے کبوتروں سے کاروبار شروع کیا تھا؟"

جواب ملا: "صرف ایک کبوتر سے۔ لیکن وہ سدھایا ہوا تھا۔ اگلے ہی دن میرے گھر لوٹ آتا تھا۔"

مرسلہ: عفت جہاں جہان خاں، کراچی

● شوہر بیوی سے: حیرت ہے کہ تم نے ٹیلے فون پر صرف بیس منٹ بات کی۔

بیوی: (منھ بنا کر) رانگ نمبر تھا۔

مرسلہ: عقیل احمد، مکلی ٹھٹھہ

● ماں (بیٹے سے): مُنّو! تم دھوپ میں کیوں دوڑ رہے ہو؟

بیٹا: امّی جان! میں دوڑ دھوپ کر رہا ہوں۔

مرسلہ: عظمیٰ ناہید، جہلم

● اعجاز: (بیرے سے) ایک پیالی چائے لے آؤ۔

بیرا: جناب! پیسے۔

اعجاز: پیسوں سے تو ہر کوئی چائے پلا سکتا ہے۔ کمال تو بغیر پیسوں کے چائے پلانے میں ہے۔

بیرا: (میز پر خالی پیالی رکھ کر) لیجیے حضور!

اعجاز: یہ تو خالی پیالی ہے۔

بیرا: حضور! بھری پیالی تو ہر کوئی پیتا ہے، کمال تو خالی پیالی پینا ہے۔

مرسلہ: فیضان الرحمٰن کھوکھر، احمد پور لمہ

● ڈاکٹر مریض کا دانت نکال چکا تو مریض نے فیس پوچھی:

ڈاکٹر نے کہا، "پچاس رُپے۔"

"پچاس رُپے؟" مریض حیرت سے بولا، "پہلے آپ نے دس رُپے بتاتے تھے۔"

ڈاکٹر بولا، "تم نے دانت نکلواتے وقت اتنا شور مچایا کہ میرے چار مریض بھاگ گئے۔"

مرسلہ: طلعت فاطمہ، کراچی

● ماجد: (بے وقوف دوست سے) ایک خوش خبری لایا ہوں۔

بے وقوف: اچھا تو اسے الماری میں رکھ دو۔

ماجد: تم عجیب آدمی ہو۔ کیا خوش خبری بھی الماری میں رکھنے کی چیز ہے۔

بے وقوف: تو پھر بچّوں میں تقسیم کر دو۔

مرسلہ: عبدالہادی، لورالائی

• • • • • •

صحّت مند نونہال

عمران حیدر، کراچی

صادق علی

عظمیٰ گوندل، کراچی

عبدالمجید، راول پنڈی

محمد یونس عثمان، کراچی

عقیل احمد تصیر

کاشف بشیر نہال، حیدرآباد

محمد کامران ،لطیف آباد

محمد بخش قادری، کراچی

ایم۔این ،صدیقی

ذیشان بشیر نہال، لطیف آباد

جمشید خاں پٹھان، کراچی

زاہد رشید سلیمان، جیوانی

ندیم احمد، ٹنڈو الہ یار

حمد

پسند: سجاد پھول، فیصل آباد

سب سے بڑی ہے ذات خدا کی
سب سے بڑی ہے بات خدا کی

سب دنیا کا خالق ہے وہ
سب بندوق کا رازق ہے وہ

سورج، چاند بنائے اُس نے
رنگیں پھول کھلائے اُس نے

کھیتوں کو بخشی ہریالی
شان ہے اس کی سب سے نرالی

ہر شے پر ہے اس کی رحمت
سب سے بڑی ہے اس کی قدرت

حمد میں اس کی زمزمہ خواں ہے
پھول کو بخشی اس نے زباں ہے

نعت

پسند: شبانہ خاں، میرپور خاص

جبیں میری ہو سنگِ در تمھارا یا رسول اللہؐ
یہی ہے ایک جینے کا سہارا یا رسول اللہؐ

تمھی ہو بے سہاروں کا سہارا یا رسول اللہؐ
تمھی کو ہر دکھی دل نے پکارا یا رسول اللہؐ

میں قرباں اس ادائے دست گیری پر میرے آقا
مدد کو آ گئے جب بھی پکارا یا رسول اللہؐ

نمازی بنو

پسند: سلمیٰ معراج، کراچی

جہالت مٹاؤ نمازی بنو
اُجالے سجاؤ نمازی بنو

جو آداب لازم ہیں اس کے لیے
وہ سیکھو سکھاؤ نمازی بنو

ہو خوش ہو کے حق سے معطر جہاں
اخوت بڑھاؤ نمازی بنو

جُھکو اپنے خالق کے دَر پر سبھی
رضا رب کی پاؤ نمازی بنو

چلو نیک راہوں پہ اشعر سدا
بُرائی مٹاؤ نمازی بنو

درود شریف

پسند: مصباح صنم، کراچی

خدا کی یاد کو پانا ہے تو درود پڑھو
جو زندگی کو بنانا ہے تو درود پڑھو

یہ قُربِ رحمتِ عالم کی وجہ بنتا ہے
نبیؐ کو اپنا بنانا ہے تو درود پڑھو

ہمارے دل کو سکون و قرار آجائے
ادھر جو دل کو لگانا ہے تو درود پڑھو

نبیؐ کا پیار خدا کے کرم کا جلوۂ عام
جہان کو اپنا بنانا ہے تو درود پڑھو

جو فضل و برکت و رحمت کے پھول سے مصباح
چمن کو گھر کے سجانا ہے تو درود پڑھو

علاّمہ اقبال

پسند: عبدالقدوس، کراچی

اقبال تجھے دل میں بسائیں گے ہمیشہ
ہم لوگ ترا جشن منائیں گے ہمیشہ

ہم سب کے لیے تُو نے بڑا کام کیا ہے
دنیا کو یہ احسان جتائیں گے ہمیشہ

اسلام کا پیغام زمانے کو سُنایا
سینے سے ترے شعر لگائیں گے ہمیشہ

کیا چیز "خودی" ہوتی ہے یہ تُو نے بتایا
ہم اس پہ عمل کر کے دکھائیں گے ہمیشہ

دنیا کے مسلمانوں سے تھی تجھ کو محبت
وہ سب تجھے آنکھوں پہ بٹھائیں گے ہمیشہ

تعبیر ترے خواب کی یہ اپنا وطن ہے
ہم لوگوں کو یہ بات سُنائیں گے ہمیشہ

سُنتے ہی ترا نام سُرور آتا ہے دل میں
اس نام کو آنکھوں سے لگائیں گے ہمیشہ

اے قائدِ اعظمؒ

پسند: اعجاز احمد گوپانگ، ڈیرہ غازی خاں

ہے تیرا نام ہر دم وردِ زباں ہمارا
تیرے خیال سے ہے دل شادماں ہمارا
تازہ ہے جاں ہماری دل ہے جواں ہمارا

تیری ہی ہمّتوں سے آزاد ہم ہوئے ہیں
خوشیاں ملی ہیں ہم کو دل شاد ہم ہوئے ہیں
تجھ سے ہی لہلہایا یہ گلستاں ہمارا

ہم سو رہے تھے تُو نے آکر ہمیں جگایا
پھرتے تھے ہم بھٹکتے رستہ ہمیں دکھایا
تو رہنما ہمارا تو سارباں ہمارا

سارے وطن میں ہر سُو چرچا ہے عام تیرا
جس شخص کو بھی دیکھا لیتا ہے نام تیرا
دل تیری یاد سے ہے اب تک جواں ہمارا

گڑیا کی شادی

پسند: کاشف عزیز بلگرامی

میری پیاری گڑیا کی شادی ہے آج

کہ کوٹھی ہی پوری سجادی ہے آج
سجائیں گے ہم اپنی گڑیا کو خوب
پہنائیں گے ہم اُس کو پھولوں کا تاج
بہت کام والی ہے گڑیا مری
کرے گی بہت رات دن کام کاج
یہی ہے نصیحت یہی ہے دُعا
رکھے جا کے سسرال میکے کی لاج

منّو بھیّا

پسند: حسن سلیم نومی، کراچی

منّو بھیّا گئے بزار
دیکھی لوگوں کی بھرمار
ہر سُو آ گئے بادل ڈھیر
چاروں طرف تھا اک اندھیر
پھر تھوڑی سی ہمّت کی
ایک جگہ سے چھتری لی
پانی برسا چھم چھم چھم
بادل گرجے ڈم ڈم ڈم
چہرے پر تھی وحشت طاری
کتنی اچھی کتنی پیاری
زور سے چیخے ہائے ہائے
لوٹ کے بھیّا گھر کو آئے

پرچم پاکستان کا

پسند: شمیم جہاں، کراچی

چاند سے اُجلا چاند سے پیارا پرچم پاکستان کا
روشن روشن ہے ایک نشان اپنی قومی شان کا
پرچم پاکستان کا
اس کے نیچے ایک ہوئے ہیں آزادی کے پروانے
اس پر خونِ دل سے لکھے ہم نے اپنے افسانے
اس کو لے کر موڑ دیا رُخ ہم نے ہر طوفان کا
پرچم پاکستان کا

شہیدانِ وطن کو سلام

پسند: صوفیہ صابر، لاہور

وطن کے شہیدو، جواں ہمتو
صدا کو میری سُن سکو تو سُنو
تہِ دل سے میں نے تمہارے لیے
نیا اِک ترانہ لکھا ہے سُنو
شہادت تو ہے سب سے اونچا مقام
وطن کے شہیدوں کو میرا سلام
وطن کی محبت دلوں میں لیے
وہ دیکھو جوانوں کے لشکر چلے
دُعا گو ہے دِل میرا ان کے لیے
شہادت کے جن کو ملے مرتبے
شہادت تو ہے سب سے اونچا مقام
وطن کے شہیدوں کو میرا سلام

حضرت عمر فاروقؓ

طاہر مسعود، گوجر خاں

دریا کے نام خط:۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں مسلمان اپنی فتوحات کے جھنڈے دنیا کے مختلف ممالک میں گاڑتے چلے جا رہے تھے۔ مسلمانوں کی فتح کا چرچا تمام دنیا میں پھیل چکا تھا۔ فاروق اعظمؓ کے دور ہی میں مصر بھی فتح ہوا تھا۔

دریائے نیل مصر کا بڑا مشہور دریا ہے۔ یہ دریا اس دور میں سال میں ایک بار خشک ہو جاتا تھا۔ وہاں کے لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب دریا خشک ہوتا تو وہ ایک نوجوان لڑکی کو دریا پر لے جا کر ذبح کر دیتے تھے۔ اور اس طرح دریا لڑکی کی قربانی لینے کے بعد دوبارہ بہنا شروع ہو جاتا تھا۔

جب مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ فوراً حضرت عمر فاروقؓ کے پاس گئے اور انھیں سب بات بتائی۔

حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر جواب دیا، "اب ہم کسی صورت میں اس طرح نہ ہونے دیں گے۔" چنانچہ اسی وقت فاروق اعظمؓ نے دریائے نیل کے نام ایک خط لکھا۔ خط کے الفاظ کچھ یوں تھے:

"اے دریا! اگر تُو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہتا ہے تو بہ۔ لیکن اگر تُو اللہ کے حکم سے نہیں بہتا تو قیامت تک ہمیں تیری ضرورت نہیں۔"

یہ خط لے کر فاروقِ اعظم دریائے نیل کی طرف چل پڑے۔ اس خط کے بارے میں تمام لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا اور وہ اپنے خیال میں ایک دل چسپ تماشے کو دیکھنے کے لیے دریا پر پہنچ چکے تھے۔ اس وقت دریا خشک پڑا تھا۔ حضرت عمر فاروق دریا کے قریب پہنچے اور آپ نے وہ خط دریا کے درمیان میں رکھ دیا۔ خط کا رکھنا تھا کہ دریا ٹھاٹھیں مارتا ہوا رواں ہو گیا۔ اس دن کے بعد اس دریا کے پانی میں بالکل کمی نہیں آئی اور وہ آج بھی اسی طرح زور و شور سے بہ رہا ہے۔

فلم یا نماز

نویدہ ظفر، اسلام آباد

رمضان کے مہینے میں پنجگانہ نماز بس پڑھنے سے مجھے نماز پڑھنے کی اتنی عادت پڑ چکی تھی کہ اگر میں ایک نماز بھی نہ پڑھوں تو دن کو سکون نہیں ملتا تھا۔ میں اپنی اس عادت پر بہت خوش تھی۔ ایک مہینے بعد میرے دادا سخت بیمار تھے۔ ان کو دیکھنے گھر میں بہت سے مہمان آئے۔ مہمانوں کی وجہ سے میری مصروفیت بہت بڑھ گئی تھیں اور عشا کی نماز تک میں تھک کر چُور ہو گئی تھی۔ رات بیت چکی تھی۔ میں عشا کی نماز تو بجے پڑھتی تھی لیکن اب دس بج چکے تھے۔ مجھے بہت نیند آ رہی تھی۔ میں تھک کر لیٹ گئی۔ ابھی میں

سونے ہی لگی تھی کہ میری چھوٹی بہن بُشریٰ آکر بولی، "باجی ٹی وی پر انگلش فلم آرہی ہے۔ آکر دیکھ لو۔" میں فلم دیکھنے کے لیے جانے ہی لگی تھی کہ مجھے خیال آیا کہ نماز بھی تو پڑھنی ہے۔ دل سے پوچھا تو دل نے مشورہ دیا کہ اس فلم کا آج آخری پروگرام ہے۔ لیکن پھر نماز.... اس کے بارے میں میں نے سوچا کہ آج عشا کی نماز نہ پڑھوں۔ اس موقع پر ظاہر ہے کہ ضمیر پیچھے نہیں رہ سکتا تھا۔ ضمیر نے ملامت کی کہ فلم دوبارہ بھی آسکتی ہے۔ نماز کے بارے میں حشر والے دن اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گی۔ یہ زندگی نماز ادا کرنے کے لیے دوبارہ تو نہیں ملے گی۔ اسی لمحے میرے ذہن میں اللہ کا خوف بیٹھ گیا۔ آخر میں نے بھی ضمیر کا ساتھ دیا اور بستر سے اُٹھ کر نماز پڑھنے چل دی۔ یقین کیجیے اس وقت نماز پڑھتے ہوئے مجھے جو خوشی ہوئی وہ ساری زندگی یاد رہے گی۔

اس دن کے بعد سے آج تک میں نے ہمیشہ باقاعدگی سے عشا کی نماز ادا کی ہے۔

ماں ایک انمول دولت

سید کاظم رضا رضوی، کراچی

ماں ایک انمول دولت ہے۔ جو لوگ اس دولت کی قدر نہیں کرتے وہ زندگی میں کبھی خوش نہیں رہتے۔ اگر یہ قیمتی دولت ایک بار کھو جائے تو دوبارہ کبھی واپس نہیں آتی۔ اسی لیے ماں کی قدر کرنی چاہیے۔ جو لوگ ماں کی قدر کرتے ہیں وہ خوش

و خرم زندگی گزارتے ہیں۔ ماں کی اطاعت ترقی کی ضامن ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے ماں کی عزت کی وہ دنیا میں آفتاب بن کر اُبھرے اور انھوں نے وہ کارنامے انجام دیے کہ تاریخ میں اُن کے نام سنہری حرفوں سے لکھے گئے۔ یہ سب ماں کی اطاعت کا ہی نتیجہ ہے۔

یہ وہ عظیم ہستی ہے کہ خود بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کر لیتی ہے لیکن اولاد کو کبھی معمولی سی بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ دنیا میں شاید اس سے زیادہ پیارا رشتہ کوئی نہیں ہوگا۔

زندگی کے ہر امتحان میں ماں کی دعائیں کام آتی ہیں۔ ماں کے منھ سے نکلی ہوئی دعائیں کبھی رائگاں نہیں جاتیں۔ ماں ایسا درخت ہے جس کی ٹھنڈی اور پُرسکون چھاؤں میں ہم اس قدر کھو جاتے ہیں کہ اس کے حقوق تک بھول جاتے ہیں۔ ہمارا دین اسلام بھی ہمیں اس عظیم ذات کی اطاعت اور اس کے حقوق کی ادائی کا حکم دیتا ہے۔

شبنم کا تاج

زلیخا عباس، کراچی

کسی بادشاہ کی ایک بیٹی تھی۔ وہ بہت ہی

خوب صورت اور ذہین تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ ضدی بھی تھی۔ ایک دن صبح کو وہ باغ میں ٹہلنے کے لیے گئی تو اس نے پھول کی پتیوں پر شبنم کے قطرے چمکتے ہوئے دیکھے۔ شبنم کے یہ قطرے ان ہیروں سے بھی زیادہ خوب صورت اور چمک دار تھے جو شہزادی کے پاس تھے۔ شہزادی اُسی وقت محل میں آئی اور بادشاہ سے کہنے لگی، "مجھے شبنم کا ایک تاج بنوا دیجیے۔ جب تک مجھے تاج نہیں ملے گا میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی۔" یہ کہہ کر شہزادی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

بادشاہ جانتا تھا کہ شبنم کے قطروں سے تاج نہیں بنایا جا سکتا۔ پھر بھی اس نے شہزادی کی ضد پوری کرنے کے لیے شہر کے تمام سُناروں کو بُلا بھیجا اور اور ان سے کہا کہ تین دن کے اندر شبنم کے قطروں کا تاج بنا کر پیش کرو ورنہ تمھیں سخت سزا دی جائے گی۔ بے چارے سُنار حیران پریشان کہ شبنم کے قطروں کا تاج کس طرح بنائیں۔

ان سُناروں میں ایک بوڑھا سُنار، بہت عقل مند تھا۔ سوچتے سوچتے اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ وہ دوسرے دن صبح کو محل کے دروازے پر گیا اور سپاہیوں سے کہا کہ وہ شہزادی کا تاج بنانے آیا ہے۔ سپاہی اسے شہزادی کے پاس لے گئے۔ بوڑھے سنار نے شہزادی کو سلام کیا اور کہا، "حضور، میں آپ کا تاج بنانے کے لیے آیا ہوں۔ لیکن میری ایک چھوٹی سی درخواست ہے۔"

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟" شہزادی نے کہا۔

سُنار بولا، "آپ باغ میں چل کے مجھے شبنم کے وہ قطرے دے دیجیے جن کا آپ تاج بنوانا چاہتی ہیں، جو قطرے آپ پسند کر کے مجھے دیں گی میں فوراً ان کا تاج بنا دوں گا۔"

شہزادی سُنار کے ساتھ باغ میں گئی۔ پھولوں اور پتیوں پر شبنم کے قطرے جگمگا رہے تھے۔ لیکن شہزادی نے جس قطرے کو بھی چھوا وہ اس کی انگلیوں پر پانی کی طرح بہ گیا۔ یہ دیکھ کر شہزادی بہت شرمندہ ہوئی اور اس نے بوڑھے سنار سے معافی مانگ لی اور عہد کیا کہ آئندہ کبھی ایسی ضد نہیں کرے گی۔

لاہور

صائمہ ممتاز، لاہور

لاہور ہمارے ملک کا بہت قدیم اور مشہور شہر ہے۔ اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ اس کی تاریخی حیثیت ہے۔ اس کے بازار، باغات، مسجدیں، شاہی قلعہ اور جہانگیر کا مقبرہ بہت مشہور ہیں۔ لیکن اس کے کارخانے، پنجاب یونی ورسٹی، ٹیلے وژن اسٹیشن، ریڈیو اسٹیشن، ریلوے اسٹیشن، قذافی اسٹیڈیم اور مینارِ پاکستان وغیرہ دیکھے بغیر لاہور کی سیر مکمل نہیں کہلا

سکتی۔ دریائے راوی کے کنارے آباد یہ شہر کئی بادشاہوں اور کئی تہذیبوں کا عروج و زوال دیکھ چکا ہے۔ لاہور کا شالیمار باغ، شاہی مسجد، شہنشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کے مقبرے اور شاہی قلعہ مسلمانوں کے عظیم ماضی کی یادگار ہیں۔ لاہور کو فخر حاصل ہے کہ یہاں ۱۹۴۰ء میں منٹو پارک میں جہاں مینارِ پاکستان تعمیر کیا گیا ہے، قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔

پنجاب یونی ورسٹی لاہور کی سب سے قدیم یونی ورسٹی ہے۔ یہاں کے شاہی قلعے میں پہنچ کر تو ایسا لگتا ہے کہ یہ قلعہ نہیں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کی کشادہ عمارتیں اس کی تاریخی حیثیت میں اضافہ کرتی ہیں۔ خاص طور سے دیوانِ خاص، دیوانِ عام اور شیش محل تو اپنی مثال آپ ہیں۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی بنائی ہوئی سنگ مرخ کی عظیم الشان بادشاہی مسجد اس قلعے کے ساتھ ہی ہے۔ اس کا صحن اتنا وسیع ہے کہ وہاں ایک وقت میں ایک لاکھ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے گنبد سنگِ مرمر کے ہیں۔ شالیمار باغ بھی نہایت خوب صورت ہے۔ اسے شاہ جہاں نے بنوایا تھا۔ اس کے فوارے، آبشار، پختہ راستے، سنگِ مرمر کی بارہ دریاں اونچے اونچے درخت اور گھاس اس کی خوب صورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ مینارِ پاکستان کو دیکھو تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے دس پنکھڑیوں کے ایک خوب صورت پھول کو اُلٹا رکھ دیا گیا ہو۔ ان پنکھڑیوں کے درمیان سنگِ مرمر کے بنے ہوئے دو دروں کے بیچ سنگِ مرمر کی سلوں پر نہایت خوب صورتی سے قرآنی آیات، علامہ اقبال کے اشعار اور تحریکِ آزادی کی مختصر تاریخ تحریر کی گئی ہے۔ مینار کی آخری منزل پر چڑھ کر لاہور کا نظارا کیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی گڑیوں کا شہر ہے۔ چھوٹے چھوٹے مکانات، ننھے ننھے درخت، دریائے راوی لہراتا، بل کھاتا ہوا بڑا خوب صورت لگتا ہے۔ یہ بڑا دل فریب منظر ہے۔

خرگوش اور شیر

عنبر بن صدیقی، کراچی

کسی جنگل میں ایک خرگوش رہتا تھا۔ وہ کافی بوڑھا ہو چکا تھا، اس لیے اُسے جنگل سے نکال دیا گیا۔ وہ اپنے قریبی جنگل میں گیا اور وہاں اُس نے ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنائی اور اس میں رہنے لگا۔

ابھی ایک ہی دن ہوا تھا کہ اس نے سوچا کہ کیوں نہ جنگل کے بارے میں معلومات حاصل کی جائے۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ اُسے ایک ریچھ ملا۔ ریچھ نے کہا، "لگتا ہے آپ اس جنگل میں نئے آئے ہیں؟"

خرگوش نے کہا، "آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں کل ہی اس جنگل میں آیا ہوں۔ سوچا کہ پہلے اس جنگل کے بارے میں معلومات حاصل کرلوں۔" ریچھ نے کہا، "بھائی خرگوش! تم کو کیا معلوم، اس جنگل کا بادشاہ بہت ظالم ہے۔ روزانہ ایک جانور کو کھا جاتا

ہے۔ جس کی باری ہوتی ہے وہ خود ہی جنگل کے بادشاہ کے پاس چلا جاتا ہے۔ اگر نہ جائے تو زبردستی لے جایا جاتا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں۔ سب جانور پریشان رہتے ہیں"۔ خرگوش کو یہ سُن کر بہت افسوس ہوا۔ اُس نے سب جانوروں کو اکٹھا کیا۔ سب بیٹھ کر ترکیبیں سوچنے لگے۔ کسی کے ذہن میں کوئی ترکیب نہیں آئی۔ خرگوش بہت عقل مند تھا۔ اس نے بہت سوچ بچار کے بعد ایک ترکیب نکال ہی لی۔ اس نے وہ ترکیب سب کو بتائی اور کہا کہ وہ فکر نہ کریں، میں خود سب کام سنبھال لوں گا۔ اس کے بعد خرگوش سیدھا جنگل کے بادشاہ کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ جناب والا! آپ ہی کا ہم شکل ایک شیر اس جنگل میں داخل ہوا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ میں آپ سے مقابلہ کروں گا اور مقابلہ جیت کر اس جنگل میں حکومت قائم کروں گا۔

مغرور شیر نے جب یہ سُنا تو اس کا چہرہ غصّے سے سرخ ہو گیا۔ اُس نے خرگوش سے کہا کہ وہ کمینہ شیر کہاں رہتا ہے؟ کیا اُس کو ہماری طاقت کا اندازہ نہیں ہے؟ ہمیں اس کے پاس لے چلو۔ خرگوش شیر کو ایک کنوئیں کے پاس لے آیا۔ خرگوش نے کہا "حضور والا! وہ کمینہ شیر یہاں رہتا ہے جو آپ جیسے بہادر کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے"۔ شیر آپے سے باہر ہو گیا اور کنوئیں میں جھانکا۔ اُس کو پانی میں اپنا عکس دکھائی دیا۔ وہ غصّے میں تو تھا ہی اس نے فوراً کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پانی میں ڈوب کر ختم ہو گیا۔

اس طرح شیر کو اپنے کیے کی سزا مل گئی اور عقل مند خرگوش نے صرف جانوروں کو مرنے سے ہی نہیں بچایا بلکہ جانوروں نے اُس کو اِس عقل مندی کی وجہ سے اپنا لیڈر بنا لیا۔

سب سے بڑا انعام

فاطمہ مسعود، راول پنڈی

انکل رحمان ہماری پسندیدہ شخصیت تھے۔ آخر کیوں نہ ہوتے، وہ بھی تو ہم سب بہن بھائیوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ہفتے میں ایک مرتبہ وہ ضرور کسی تفریحی جگہ پر لے کر جاتے تھے۔

اگست میں تو خوب رونق رہتی۔ ۱۴ اگست سے پہلے جھنڈیاں لگائی جاتیں۔ بچّوں کو اس کی اہمیت کے بارے میں بتایا جاتا اور جو بچّہ سب سے اچھا کام کرتا وہ بچّوں کا انچارج ہوتا۔

اس مرتبہ بھی یہی مقابلہ ہوا۔ سب بچّوں میں یہ تجسّس تھا کہ کون یہ مقابلہ جیتتا ہے۔ ۱۴ اگست کو تو سب نے اچھے اچھے کام کیے۔ کسی نے گھر کو سجایا، کسی نے جھنڈا لگایا تو کسی نے جھنڈیاں لگائیں۔

اگلے دن سب نے اپنے کام بتائے۔ ناصر نے بچّوں کو ۱۴ اگست کے بارے میں بتایا تھا۔ جمیل نے بچّوں کو پاکستان کے جھنڈے اور اس کی اہمیت کے بارے

میں بتایا تھا۔ ریحانہ نے بچّوں کو پاکستان کے محل وقوع کے بارے میں بتایا۔ غرض ہر ایک نے اپنی طرف سے اچھے کام کیے تھے۔ مگر ابھی تک ریحان نے اپنا اچھا کام نہیں بتایا تھا۔ سب کے اصرار کے باوجود اس نے اپنا اچھا کام نہیں بتایا۔ جب انکل رحمان کو پتا چلا تو انھوں نے ریحان سے اُس کے اچھا کام نہ بتانے کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا، "دراصل انکل! میں اچھا کام کر کے اس کے بارے میں سب کو بتا کر شہرت حاصل کرنا نہیں چاہتا۔"

مگر انکل کے اصرار پر ریحان کو بتانا ہی پڑ گیا۔ اس نے کہا کہ ۱۴ اگست کے دن میں اپنے دوست سے ملنے گیا تو راستے میں مجھے ایک بچّہ نظر آیا جو بالکل اکیلا بیٹھا بچّوں کو جھنڈے لیے پھرتے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت اُداس تھا۔ میں نے جب قریب جا کر اس کی اُداسی کی وجہ پوچھی تو وہ بولا، "میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں دوسرے بچّوں کی طرح آزادی کا دن منا سکوں۔"

مجھے اس بچّے پر بڑا ترس آیا اور میں نے آپ کے دیے پیسے اس بچّے کو دے دیے۔ اسی سے مجھے سچّی خوشی حاصل ہوئی اور اس کی خوشی مجھے اپنی خوشی لگی۔

انکل نے کہا، "ریحان تم نے سب سے اچھا کام کیا۔ تم ہی انعام کے حق دار ہو۔"

ریحان نے کہا، "نہیں انکل، اس بچّے کی خوشی ہی میرا سب سے بڑا انعام تھا۔ جب وہ انعام مجھے مل گیا تو کسی اور انعام کی کیا ضرورت۔"

اور ہم سب ریحان کا منھ دیکھتے رہ گئے۔

خوش بُو

نسبرین فیروز الدین، کراچی

خوش بُو تو بہت سی چیزوں میں ہوتی ہے۔ پھولوں کے ساتھ رہ کر کانٹے بھی خوش بُو دار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ہم اُس خوش بُو کی بات کر رہے ہیں جو بوتلوں میں بند کر دی جاتی ہے۔ اس کو "پرفیوم" کہتے ہیں۔ لفظ پرفیوم "فیومس" سے نکلا ہے جو لاطینی لفظ ہے۔ اس کے معنی دھوئیں کے ہیں۔ پرانے زمانے میں لوگ لکڑیوں اور پتّوں کو جلا کر خوش بُو حاصل کرتے تھے۔

سب سے پہلے عربوں نے گلاب کا عرق ایک ہزار تین سو سال پہلے نکالا تھا۔ انھوں نے اس کو نہ صرف پرفیوم کے طور پر استعمال کیا بلکہ دوا کے طور پر بھی استعمال کیا۔ یہ عرق بہت مہنگا پڑتا تھا۔ موتیا، چنبیلی اور دوسرے اسی طرح کے خوش بُو دار پھول بہترین پرفیوم حاصل کرنے کا ایک بہت اچھا ذریعہ ہیں۔ پرفیوم لکڑیوں سے بھی حاصل کیا جاتا ہے جیسے صندل۔ اور پتّوں سے بھی پرفیوم حاصل کیا جاتا ہے جیسے پیپرمنٹ اور جڑوں میں ادرک سے پرفیوم حاصل کیا جاتا ہے۔

صبح کی سیر

انیلا سلطان، کراچی

صبح کو اُٹھتا ہے جو، پاتا ہے صحت بے گماں
جاگنا ہے صبح کا اِک تن درستی کا نشاں

صحت کے لیے صبح کی سیر خاصی اہمیت رکھتی ہے، جو لوگ ہر روز صبح سویرے اُٹھتے ہیں اور تازہ ہوا کھانے کے لیے کُھلی ہوا میں جاتے ہیں ان کی صحت ہمیشہ اچھی رہتی ہے۔ کاہلی ان سے دُور بھاگتی ہے۔ ان کا جسم اور دماغ صحت مند رہتے ہیں۔ اگر ہم کسانوں کی اچھی صحت پر غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ چوں کہ وہ صبح سویرے منھ اندھیرے اُٹھتے ہیں اور اپنے کھیتوں میں جاتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ آکسیجن ان کے پھیپھڑوں میں جاتی ہے اور وہ ہمیشہ تن درست اور توانا رہتے ہیں۔

صبح کی سیر سے آدمی کو ایک خاص قسم کا لُطف ملتا ہے جس سے وہ سارا دن چاق و چوبند اور ہشاش بشاش رہتا ہے۔ سرسبز پلودوں اور ہرے بھرے درختوں کو دیکھنے سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ دماغی تھکن دُور کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں۔ جو شخص دن چڑھے تک بستر پر پڑا رہتا ہے اور صبح کے دل فریب مناظر سے لُطف اندوز نہیں ہوتا وہ اصل میں ایک بہت بڑی قدرتی نعمت سے محروم رہتا ہے۔

صبح موسم بڑا دِل کش اور سُہانا ہوتا ہے۔ زمین پر دُور تک سبز مخمل کا فرش بچھا ہوتا ہے۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے۔ ہری ہری گھاس پر شبنم کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے ہوتے ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے نرم نرم جھونکے روح کو تازگی اور شگفتگی بخشتے ہیں۔ اب آپ خود ہی سوچیے کہ جو شخص صبح کی سیر کو نہیں جاتا کیا وہ نقصان نہیں اُٹھاتا؟ وہ اتنے خوب صورت منظر سے لُطف اندوز ہونے سے محروم رہتا ہے اور اپنی صحت قائم رکھنے کے ایک انتہائی قیمتی، آسان اور سستے ذریعہ سے بھی فائدہ نہیں اُٹھاتا۔

سونے کا سکّہ

حامد علی شاہد، لاڑکانہ

گرمی اپنے عروج پر تھی۔ زمین تپ رہی تھی۔ انسان تو انسان جانور بھی ٹھنڈی چھاؤں تلاش کر رہے تھے۔ میں ابھی ابھی اپنے دوست کے پاس سے چلا آرہا تھا۔ گرمی کی وجہ سے میں پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ اپنی ہی دُھن میں چلتا ہوا ایک گلی سے مُڑتے ہوئے میں ٹھٹھک کر رُک گیا۔ میری نظریں سامنے پڑے ہوئے ایک سُنہری سکّے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ سکّہ یقیناً سونے کا تھا۔ میں نے اسے اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ سب سے پہلے میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی آتو نہیں رہا ہے مگر دُور دُور تک کسی کا نام و نشان تک نہ

تھا۔ ظاہر ہے اس گرمی میں کسی کو باہر نکلنے کی کیا پڑی تھی۔ اچھی طرح تسلّی کر لینے کے بعد میں سکّے کی طرف لپکا کہ اچانک ایک کھٹکا ہوا اور میں گھبرا کر رُک گیا اور اس طرف دیکھنے لگا جس طرف سے یہ آواز آ رہی تھی۔ سامنے منڈیر پر ایک کوّا بیٹھا ہانپ رہا تھا اور نیچے پڑا ہوا پتھر اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ پتھر منڈیر سے کوّے نے گرایا ہے۔ میں نے دِل ہی دِل میں کوّے کو بُرا بھلا کہا اور خود ایک بار پھر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایک بار پھر میں سکّے کی طرف بڑھا مگر کسی کے قدموں کی آہٹ سُن کر پھر ٹھٹھک کر رُک گیا۔ مُڑ کر دیکھا تو ایک کتّا سوکھے پتّوں میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ شاید بے چارہ بھوکا تھا۔ ابھی اس کی طرف سے بے فکری ہوئی تھی کہ ایک اور مصیبت نازل ہو گئی۔ "اُف اللہ! انھیں بھی اسی وقت آنا تھا" سامنے گلی سے دو لڑکے چلے آ رہے تھے۔ میں سکّے سے کئی قدم دُور ہٹ کر ان کو دیکھنے لگا۔ دونوں لڑکے اب اس طرف بڑھ رہے تھے جس طرف وہ سکّہ پڑا ہوا تھا۔ وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے سکّے کے قریب سے گزر گئے۔ کچھ ہی دُور جا کر ایک لڑکا رُک گیا اور زمین پر جُھک گیا جب کہ دوسرا اپنی ہی دُھن میں باتیں کرتا ہوا آگے نکل گیا۔ پھر دوسرا بھی اپنے ساتھی کے پاس واپس آ گیا۔ پہلے لڑکے کو نیچے جُھکتا ہوا دیکھ کر میرا تو دل ہی اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس لڑکے نے تو جُھک کر اپنے پاؤں سے کانٹا نکالا تھا اور ایک بار پھر اپنے ساتھی کے ساتھ ہو لیا۔ میں نے ماتھے سے پسینا پونچھا۔ اب میں نے جلدی سے سکّہ اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ آس پاس کا جائزہ لینے کے بعد سکّے کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی سکّے تک پہنچنے میں چند قدم ہی باقی تھے کہ پھر کوئی آہٹ ہوئی۔ پیچھے مُڑ کر دیکھا تو اختر آ رہا تھا۔ اختر میرا دوست تھا اور ابھی ابھی میں اُسی کے پاس سے آ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بھی رُک گیا اور غور سے دیکھ کر بولا، "ارے تم! ابھی گھر نہیں گئے۔ اس قدر تیز گرمی میں یہاں کھڑے ہو؟"

"نن .... نہیں بس ابھی جا ہی رہا تھا" میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

اس نے حیرانی سے کہا، "اچھا تمھیں تو بیس منٹ پہلے ہی گھر میں ہونا چاہیے تھا۔ تم بڑے سُست ہوتے جا رہے ہو۔"

"نن .... نہیں ... آ .... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے .... اور .... اور تم کہاں جا رہے ہو؟" شرمندگی دُور کرنے کے لیے میں کچھ اور نہ کہہ سکا۔

"دودھ لینے جا رہا تھا۔ تمھارے جاتے ہی کچھ مہمان آ گئے تھے۔" اس نے جواب دیا اور میں نے اس سے جلدی سے جان چھڑانے کے لیے اپنے گھر کی گلی کی طرف مُڑتے ہوئے کہا، "اچھا، میں تو چلتا ہوں۔" یہ بات سُن کر وہ بھی آگے بڑھ گیا۔ اُسے گلی میں غائب ہوتا ہوا دیکھ کر میں فوراً واپس آ گیا۔ پسینے کی وجہ سے یوں لگتا تھا جیسے میں ابھی ابھی کسی

نہر میں نہا کر آیا ہوں۔ اب تو ٹانگیں بھی کپکپا رہی تھیں۔ اب تو میں نے سوچا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکّہ اُٹھا لیا جائے۔

"کیا مطلب؟ تم ابھی تک گھر نہیں پہنچے؟" یہ آواز سُن کر میں اُچھل پڑا۔ سامنے ہی اختر کھڑا تھا۔

"نہیں تو بس جاتے ہی والا تھا!" میں کھسیانا ہو گیا تھا۔ البتہ اس بار میں نے اتنا ضرور دیکھ لیا کہ اختر سونے کے اس سکّے کو دیکھ چکا ہے۔ جونہی وہ دوسری گلی میں غائب ہوا میں نے تیزی سے سکّے کو اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا اس لیے میں جیسے ہی سکّے کو اُٹھانے کے لیے جُھکا اختر کو بھی اپنے ساتھ جھکتے ہوئے پایا۔

ہم دونوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے "تم تو شاید گھر جا رہے تھے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

میں نے فوراً جواب دیا "اور شاید گھر تو تم بھی جا رہے تھے۔" لیکن اچانک اس نے جھپٹ کر وہ سکّہ اُٹھا لیا۔ میں نے فوراً ہی اس کے ہاتھ سے سکّہ چھین لیا۔ اب تو لڑائی شروع ہو گئی۔ گرمی کی وجہ سے ہم پسینے میں شرابور تھے۔ اس چھینا جھپٹی میں کپڑے بھی بُری طرح پھٹ گئے۔ مگر لڑائی بند نہ ہوئی۔ اچانک ایک آدمی وہاں آیا۔ اس نے ہمارا بیچ بچاؤ کروایا۔ اور لڑنے کی وجہ پوچھی۔ میں نے پہلے جواب دیتے ہوئے کہا، "اس سونے کے سکّے کو سب سے پہلے میں نے دیکھا تھا۔ اس پر میرا حق بنتا ہے۔"

"بالکل نہیں۔" اختر چلّایا۔ "اسے سب سے پہلے میں نے دیکھا تھا۔"

"کون سا سکّہ؟" بڑے میاں نے سونے کے سکّے کو ہاتھ میں ٹٹولتے ہوئے کہا، "کیا یہی سکّہ؟"

"جی ہاں۔" ہم دونوں کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

• "لیکن یہ سکّہ تو پلاسٹک کا بنا ہوا ہے۔" بڑے میاں نے کہا۔

"کک..... کیا؟؟" ہم دونوں ایک ساتھ چلّائے۔

-

سنہری عقاب

حنا خیری، کراچی

"جم کہاں ہو تم؟" جم اپنے کمرے میں ہوائی جہاز سے کھیل رہا تھا کہ انکل ٹام کی آواز سُن کر چونک اُٹھا۔ وہ ہر چیز چھوڑ چھاڑ کر بھاگتا ہوا باہر پہنچا اور انکل ٹام سے لپٹ گیا۔ "انکل! آپ کب آئے؟"

انکل ٹام نے مسکراتے ہوئے کہا، "میں کل ہی آیا ہوں۔ دیکھو! میں تمھارے لیے کیا لایا ہوں۔" جم نے دیکھا ان کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا جس میں ایک سنہری پروں والا عقاب بیٹھا تھا۔

انکل ٹام نے کہا، "پسند آیا نا؟ میں نے جب اسے دیکھا تو مجھے فوراً خیال آیا اور میں نے اسے تمھارے لیے خرید لیا۔"

"انکل یہ تو بہت قیمتی ہوگا۔" جم نے عقاب کو خوشی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں ہے تو سہی، مگر ہمارے جم سے زیادہ نہیں۔" انکل نے محبت سے جم کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ عقاب اپنے پنجرے میں بڑی شان سے بیٹھا گردن موڑ موڑ کر اِدھر اُدھر ہر چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنی تیز چمکیلی آنکھیں جم کے چہرے پر جما دیتا۔ انکل ٹام بولے "ویسے یہ ہے بڑے کام کی چیز۔ پالتو اور سدھا ہوا۔ اگر تم اس کا پنجرہ کھولو تو یہ وہ لمبی اُڑان لے کہ آسمان کا تارہ بن جائے گا۔ اس کے علاوہ یہ شکاری پرندہ بھی ہے۔ کسی چڑیا یا دوسرے چھوٹے پرندے کے پیچھے اسے اُڑاؤ تو لمحہ بھر میں ہی اسے لے جائے گا۔

"اچھا۔" جم بولا، "واقعی یہ تو کمال کا پرندہ ہے۔"

جم کے سنہری عقاب کی شہرت جلد ہی ہر طرف پھیل گئی۔ جس کسی کو بھی معلوم ہوتا وہ پہلی فرصت میں عقاب کا دیدار کرنے آتا۔ جم سنہری عقاب پا کر بڑا ہی خوش تھا۔ بڑے فخر سے وہ ہر کسی کو اپنا عقاب دکھاتا۔ جو بھی عقاب کو دیکھتا اس کی تعریفیں کرتا اور جم یہ تعریفیں سُن کر خوشی سے پھُولا نہ سماتا۔

چند دن میں ہی عقاب اس سے بہت مانوس ہو گیا۔ جم کا زیادہ تر وقت عقاب کے ساتھ ہی گزرتا۔ عقاب اس کے اشارے پہچاننے لگا تھا۔

اس روز جم اور انکل ٹام دونوں میدانوں کی طرف نکل گئے تاکہ عقاب کے کمالوں کو دیکھ سکیں۔ جم نے پنجرہ کھولا اور عقاب کو اپنے ہاتھ پر بٹھا لیا۔ عقاب نے گردن آگے کر کے اِرد گرد کا جائزہ لیا اور اس طرح چوکنا اور تیار نظر آنے لگا جیسے حملہ کرنے سے پہلے شیر تیار نظر آتا ہے۔ جم نے عقاب کو چمکارا اور اس کے پنجوں میں سے چھلّا اُتار دیا۔ چھلّا اُتارتے ہی عقاب نے ایک لمبی اُڑان لی اور آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرنے لگا۔ "واہ، جم، دیکھا تم نے؟" انکل ٹام بولے۔ چند منٹ پرواز کرنے کے بعد عقاب واپس آ کر جم کے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ جم اسے پیار سے سہلانے لگا۔ انکل ٹام نے دوسرے پنجرے میں سے ایک کبوتر نکالا اور ہوا میں چھوڑ دیا۔ کبوتر جب کافی اونچائی پر پہنچ گیا تو جم نے عقاب کو اُڑا دیا۔ عقاب بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اوپر پہنچا۔ کبوتر اپنی جان بچانے کی کوشش کرنے لگا مگر عقاب نے اسے زیادہ مہلت نہ دی۔ "دیکھا تم نے۔" انکل ٹام نے فاتحانہ انداز میں جم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شان دار۔" جم کے منہ سے نکلا۔

صبح سویرے جم کی آنکھ کھُلی تو وہ معمول کے مطابق کو دیکھنے دوسرے کمرے میں پہنچا مگر عقاب کا پنجرہ تو غائب تھا۔ جم پاگلوں کی طرح ہر جگہ عقاب کا پنجرہ ڈھونڈنے لگا۔ چیخ چیخ کر اس نے سارے گھر کو بھی اُٹھا دیا۔ اس کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی یہ سُن کر پریشان ہو گئے تھے۔ وہ سب بھی جم کے

ساتھ ساتھ عقاب کو تلاش کرنے لگے۔ سارا گھر چھان مارا مگر عقاب کا کہیں پتا نہ تھا۔ جم کو عقاب کے غائب ہونے کا بڑا صدمہ تھا۔ گھنٹوں وہ روتا رہا۔ آس پاس ہر جگہ جا کر پتا کرایا، لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ عقاب کی چوری کی خبر ہر جگہ پھیل گئی۔ پولیس میں چوری کی رپورٹ بھی درج کرا دی گئی۔ جم کا غم کے مارے بُرا حال تھا۔ اس کے والدین اور انکل ٹام اسے دِلاسا دے رہے تھے کہ عقاب مِل جائے گا۔ لیکن اسے قرار نہ تھا۔ دن پہ دن گزرتے گئے، لیکن عقاب کا کوئی سُراغ نہ ملا۔ پولیس بھی ایک دو دفعہ جم کے گھر آئی۔ کچھ پتا ہی نہ چل سکا کہ آگے کیا ہوا۔ تفتیش کی گاڑی ٹھپ ہو کے رہ گئی۔ جم کے دِل پر کچھ ایسا صدمہ ہوا کہ وہ چُپ چپ رہنے لگا۔ اس کے ڈیڈی اس کے لیے ڈھیر سارے پرندے لے آئے۔ لیکن جم نے ان کی طرف آنکھ اُٹھا کے بھی نہیں دیکھا۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ کہیں سے ویسا ہی عقاب لا کر جم کے حوالے کر دیتے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ عقاب نایاب تھا اور اس کا ملنا بڑا مشکل تھا۔ وہ تو انکل ٹام دوسرے ملک سے لائے تھے۔ آخر ایک دن جم نے ان سب پرندوں کو آزاد کر دیا۔ وہ بولا، "مجھے نہیں چاہییں یہ سب۔ جب مجھے ضرورت ہی نہیں ہے تو ان بے چاروں کو قید کرنے سے فائدہ؟"

ایک سال گزر گیا۔ جم تنہائی میں رات کو سونے سے پہلے ہمیشہ عقاب کو یاد کیا کرتا تھا۔ اب کی دفعہ چھٹیوں میں جب انکل ٹام اپنے کام سے، ہیرا ڈائنر ہِل اسٹیشن جانے لگے تو جم بھی ان کے ساتھ ہی چلا آیا۔ اونچے اونچے آسمان سے باتیں کرتے پہاڑ، چھوٹے چھوٹے ٹھنڈے میٹھے پانی کے جھرنوں کو دیکھ کر جم کا دِل خوش ہو گیا۔ وہ دونوں ایک ہوٹل میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ جب انکل اپنے دفتر کے کام سے چلے جاتے تو جم بھی اپنی دُوربین اور کیمرا سنبھال کے ان خوب صورت مناظر سے لُطف اندوز ہونے اُٹھ کھڑا ہوتا۔ وہیں جم کی ملاقات ہیرس سے ہوئی۔ ہیرس اپنے والدین کے ساتھ چھٹیاں گزارنے یہاں آیا تھا۔ اُس روز موسم بہت حسین تھا۔ چمکیلی دھوپ ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور فضا میں خوش گوار سی ٹھنڈک بھی محسوس ہو رہی تھی۔ موسم بڑا لطف دے رہا تھا۔ انکل ٹام آج صبح ہی سے کام پر چلے گئے تھے۔ جم نے جلدی جلدی ناشتا کیا اور سیر کرنے نکل کھڑا ہوا۔ کافی دیر وہ اِدھر اُدھر گھومتا رہا، دُور سے جھرنے کی آواز سنائی دی تو جم اس طرف چل دیا۔ "ارے، ہیرس تم یہاں؟" ہیرس کو دیکھ کر جم خوش ہو گیا۔ "ہاں میں یہاں گھوم رہا تھا۔"

"میں ذرا پانی پی لوں۔" جم آبشار کا ٹھنڈا میٹھا پانی چُلّو میں لے کر پینے لگا۔ اس کے بعد ہیرس بولا، "اب میں پیوں گا۔"

"دیکھ کر۔ یہاں کافی چکنی مٹّی ہے۔" جم نے کہا۔ ہیرس آگے بڑھ کر پانی پینے لگا تو اس کا پاؤں پھسلا اور اس کے پاؤں کے نیچے کا پتّھر تیزی سے نیچے کی طرف

سرکنے لگا۔ ہیرس کے منھ سے چیخ نکلی۔ اس نے بے تحاشا ہاتھ مارے اور وہ چٹان کے سرے پر لٹکنے لگا۔ دونوں ہاتھوں سے اس نے چٹان کا سرا تھاما ہوا تھا اور اس کے پاؤں فضا میں جھول رہے تھے۔ منھ زور آبشار کا تیز و تند پانی ہیرس کو دہلا رہا تھا۔ جم خوف کے مارے کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ یکایک یہ آخر ہوا کیا۔ ہیرس کی چیخ و پکار سُن کر اسے ہوش آیا تو آگے بڑھ کر اس نے ہیرس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا مگر فاصلہ بہت تھا۔ اس کا ہاتھ ہیرس کے ہاتھ تک پہنچ نہیں رہا تھا۔ جم کا دماغ تیزی کے ساتھ کام کرنے لگا۔ اس نے پلٹ کر جلدی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ تھوڑی ہی دُور ایک درخت تھا۔ گھبرانا نہیں۔ میں آتا ہوں۔ مضبوطی سے پکڑے رہو۔" چیخ کر جم نے کہا اور تیزی سے درخت کی طرف بھاگا۔ درخت کی ایک شاخ توڑ کر وہ واپس ہیرس کے پاس پہنچا۔ اس دوران ہیرس تقریباً اَدھ مُوا ہو چکا تھا اور اس سے مزید لٹکنا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ جم زمین پر لیٹ گیا۔ اور احتیاط سے ٹہنی کا ایک سرا خود تھاما اور دوسرا ہیرس کی طرف بڑھا دیا۔ "شاباش جلدی کرو۔ پہلے ایک ہاتھ سے تھامو پھر دوسرے سے۔" ہیرس نے بڑی مشکل سے ایک ہاتھ سے ٹہنی کو پکڑا۔ جم برابر اس کی ہمت بندھاتا رہا۔ آخر ہیرس نے دوسرے ہاتھ سے بھی ٹہنی کو تھام لیا۔ جم نے آہستہ آہستہ پیچھے سرکنا شروع کر دیا۔ ہیرس کا کافی وزن تھا لیکن ہمت، جوش اور ولولے کے بل بوتے پر جم اس کو کھینچنے لگا۔ آخر ہیرس اوپر آگیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں چٹان پر لیٹے اپنی سانسیں درست کرتے رہے۔ پھر جم نے ہیرس کو اُٹھاتے ہوئے کہا، "آؤ اب چلیں۔"

رات کا کھانا کھا کے جم اور انکل ٹام فارغ ہوئے ہی تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ "آجاؤ۔" انکل ٹام نے آواز دی۔ وہ دونوں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آنے والا ہیرہ نہیں بلکہ ہیرس اور اس کے والد تھے۔ ہیرس نے والد نے آتے ہی ہیرس کو گلے لیا۔ "میرے بچّے میں تمھارا کیسے شکریہ ادا کروں۔ تم نے تو مجھے خرید لیا۔"

بار بار ان کے منھ سے شکر گزاری کے الفاظ نکل رہے تھے۔ انکل ٹام قریب ہی کھڑے محبت اور فخر سے جم کو دیکھ رہے تھے۔

پھر ہیرس کے والد نے کہا، "جم! میں تمھارے لیے ایک چھوٹا سا تحفہ لایا ہوں۔ یہ تمھارے احسان کے بدلے کچھ بھی نہیں، لیکن اسے ایک احسان مند باپ کا حقیر نذرانہ سمجھ لو۔ ہیرس ذرا دینا۔" ہیرس آگے بڑھا اور اس نے ایک پنجرہ جم کی طرف بڑھا دیا جس میں ویسا ہی سنہری پَروں والا عقاب بیٹھا اپنی چمکتی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جم کو یوں محسوس ہوا جیسے اسے اس کا گم شدہ خزانہ مل گیا ہو۔

○○○○

قارئین کی عدالت

ستمبر کا رسالہ بہت اچھا ہے۔ اس میں چند لطائف نقل شدہ تھے۔ جاگو جگاؤ پہلے کی طرح اچھا آیا تھا۔ کہانی سو برس کی نانی کافی اچھی تھی اور ساری کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ محمد عرفان صدیقی، کراچی۔

میری ایک تجویز ہے کہ ناقابلِ اشاعت تحریروں کے بارے میں ایک علاحدہ صفحہ شائع کیا جائے۔ عامر حسین، کراچی۔

اچھا تو دوسرے نونہال اس تجویز کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

مارچ ۱۹۸۸ء کے رسالے میں میری تحریر "کراچی کی کہانی خود اس کی زبانی" شائع ہوئی۔ مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ میری تحریر اس قابل ہوگی کہ حکیم محمد سعید صاحب اسے پڑھیں گے اور پسند کریں گے۔ عزیز عبدالستار، کراچی۔ بزمِ ہمدرد نونہال کی تقریب کا حال پڑھا اور ہمیں ایسا لگا جیسے ہم خود بھی ان بچّوں کے ساتھ بیٹھے ہیں اور الکل سعید صاحب کی سبق آموز اور اچھی اچھی باتوں سے لُطف اُٹھا رہے ہیں۔ قدسیہ یاسمین، بھکّر۔ معلومات عامہ، پہلی بات، خیال کے پھول اور طب کی روشنی بہت پسند آیا۔ خالد جمیل، کراچی۔ جاگو جگاؤ اور علامہ دانش کے سفرنامے بہت اچھے تھے۔ نورالہدیٰ مہر بلوچ، جیوانی۔ رسالہ ملتے ہی میں نے اُن تمام جگہوں پر نظریں دوڑائیں جہاں میرے نام کے چھپنے کی امید ہو سکتی تھی مگر جب کہیں اپنا نام نہ پایا تو رسالہ اس طرح بند کر کے رکھ دیا جیسے ملا ہی نہ ہو۔ علی محمد عابد، چکڑالہ۔

اچھا! اب تو آپ کا نام چھپ گیا۔ رسالہ پڑھو اور آگے بڑھو۔

جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول اپنے اندر نصیحت آموز باتیں سموئے ہوئے تھے۔ کہانیوں میں اللہ میری توبہ (شہناز پروین) اور سو برس کی نانی (مصطفےٰ چاند) اچھی لگیں۔ نظموں میں سرسید (طاہر احمر) پسند آئی۔ معلوماتی مضامین میں عبداللہ۔ دو چادروں والے (طالب ہاشمی) میرا بچپن اور ہمارے قائدِ اعظم (محمد اقبال) معلومات افزا تھے۔ خوب صورت اشعار خوب تھے۔ اگر شاعروں کی تاریخ پیدائش بھی دے دی جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ طب کی روشنی میں سوالات یکسانیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ تحفے خاص نہ تھے۔ زبان کا زخم (شفیق بدر) مختصر لیکن بہت نصیحت آمیز سبق آموز کہانی تھی۔ جنگلی حیوانات سلسلے کی کڑی اسفنجوں کی دنیا پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ نیز کالج کے نصاب کے اندر یہ تمام چیزیں نہیں جو کہ ڈاکٹر منظور احمد بہت سادہ اور عام فہم زبان میں نونہال کے لیے ہم تک پہنچا رہے ہیں۔ یوں پڑھائی کی پڑھائی بھی ہو رہی ہے۔ حسن مہدی خراسانی، کراچی۔ خیال کے پھول اور نونہال معتبر پسند آیا۔ رضیہ سلطانہ، لاہور۔

ستمبر کے شمارے میں کہانی "زبان کا زخم" کو اخلاقی کہانیوں سے نقل کیا گیا تھا۔ فیصل اقبال، لاہور۔ ہمارے ملک کے صدر جناب جنرل محمد ضیاء الحق کا ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو ایک فضائی حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ آپ سے التماس ہے کہ ان کے بارے میں کچھ معلومات نونہال میں ضرور چھاپیں۔ محمد خالد صدیق رانا، کراچی۔

بچّوں کے جذبات و خیالات کو اس شمارے میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ستمبر کے نونہال کو عام شماروں میں سب سے بہتر شمارہ کہا جا سکتا ہے۔ ریحانہ حفیظ، مٹیاری۔ کہانیوں میں "اللہ میری توبہ"، "سو برس کی نانی"، اور عبداللہ۔ دو چادروں والے پسند آئیں۔ رخسانہ شوکت، مٹیاری۔ جاگو جگاؤ (حکیم محمد سعید) اور پہلی بات (مسعود احمد برکاتی) حسبِ توقع شان دار تھیں۔ خیال کے پھول، عبداللہ دو چادروں والے اور نظم "ماں" خوب صورت تھی۔ خوب صورت اشعار بھی اچھا

سلسلہ ہے۔ لطیفے ٹھیک ٹھاک تھے۔ کہانیاں زبان کا زخم، سو برس کی نانی اور عقل مند کسان نکھرتے ہوئے گلاب کی طرح تھیں۔

منصور حسین، ٹنڈو محمد خاں ـــ ستمبر کے شمارے میں کہانی عقل مند کسان نقل شدہ ہے۔ محمد اجود، علی پور ـــ علامہ دانش کا اغوا بہت پسند آیا۔ محمد ذاکر، حیدر آباد ـــ جاگو جگاؤ ایک ایسی شمع ہے جس سے ہزار دیے روشن ہو سکتے ہیں۔ سعید احمد، لانڈھی ـــ مجھے اور میرے دوستوں کو یہ رسالہ بہت پسند ہے۔ محمد شہزاد عابد اور محمد فراز ساجد، تونکنڈی ـــ جاگو جگاؤ اور قومی اتحاد اور گھر کی حفاظت کے بارے میں پڑھ کر انتہائی مفید باتیں سیکھیں۔ ضمران افضل بھٹی، ٹنڈو جان محمد ـــ سرورق کی کہانی اچھی تھی۔ پروین، کوٹری ـــ کہانیوں میں "اللہ میری توبہ"، "سو برس کی نانی" اچھی لگی، اور معلوماتی مضمون "اسفنجوں کی دنیا" (ڈاکٹر منظور احمد) کی بدولت شمارے میں چار چاند لگ گئے تھے۔ محمد راشد قریشی، ملیر کالونی ـــ اگست کے شمارے میں اپنا بھیجا ہوا لطیفہ دیکھ کر میرے جسم میں لاکھوں من خون بڑھ گیا۔ محمد خرم معراج، پرانا سکھر ـــ پہلی بات کا نمبر پہلا تھا۔ نونہال کو بڑے بھی کس قدر پسند کرتے ہیں اس کا اندازہ "نونہال بڑوں کی نظر میں" پڑھ کر ہوا۔ محمد عامر نذیر، لاہور ـــ پہلی بات میں جب یہ پڑھا کہ علامہ دانش کے سفرنامے کی یہ آخری کہانی شائع ہو رہی ہے تو مجھے بڑا دکھ ہوا۔ مگر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ ہو سکتا ہے اس کے بعد کی سلسلے وار کہانی اس سے بھی اچھی ہو۔ ممتاز احمد قریشی، مکلی ٹھٹھہ ـــ کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی زبان کا زخم تھی۔ محمد کاشف، کراچی ـــ جناب غنی دہلوی صاحب کی نظم "ماں" بے حد پسند آئی۔ جناب مشتاق صاحب کے کارٹون بے مقصد ہوتے جا رہے ہیں۔ محترمہ شہناز پروین صاحبہ کی کہانی "اللہ میری توبہ" اچھی تھی۔ وسیم عباس، سیال کوٹ کینٹ ـــ نونہال ہمارے ذہن کی بہترین تربیت کرتا ہے۔ ملک عبدالقیوم ناز، ملک عرفان احمد، ملک ظہیر احمد، ملک انور، ملک بنارس گھوگھیاٹ، راجا ریاض، شفقت محمود ـــ اتنا اچھا اور معیاری رسالہ شاید ہی کوئی اور ہو۔ کیا اتنا اچھا اور معیاری رسالہ پیش کرنے میں آپ کی مدد کوئی جن بھوت کرتا ہے؟ شہرونہ اشفاق، علامہ دانش کے سفرنامے اور چھوٹی کہانیاں بہت پسند آئیں۔

محمد صابر محمود، ہوسٹری ـــ اسفنجوں کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوئی، جاگو جگاؤ اور عقیدت کے پھول تو ہمیشہ کی طرح بہت بہترین تھے۔ عمران نوشیر، جڑانوالہ ـــ پڑھنے پڑھانے کا شوق، علم حاصل کرنا، بڑوں کا ادب کرنا اور زندگی کو بامقصد بنا کر صحت مند طریقے سے زندگی گزارنا ہمدرد رسالے نے ہمیں سکھایا ہے۔ کوثر حسین، ٹنڈو جام ـــ اللہ میری توبہ، زبان کا زخم اور سو برس کی نانی بے حد پسند آئیں۔ نظموں میں سرسید اور ماں لاجواب تھیں۔ حافظ خضر حیات، فروکہ ـــ مضمون ہمارے قائداعظم (محمد اقبال) پسند آیا۔ ہما صدیقی، کراچی ـــ ہمیشہ کی طرح انمول اور نایاب خزینوں سے بھرا ہوا یہ رسالہ بہت پسند آیا۔ نونہال ایک رسالہ نہیں بلکہ ایک استاد ہے جو ہمیں اچھی اچھی باتیں سکھاتا اور پڑھاتا ہے۔ محترم حکیم محمد سعید کے کالم جاگو جگاؤ کی تعریف کرنا میرے بس میں نہیں۔ ان کے لیے تو ایسے ایسے خوب صورت الفاظ چاہییں جو ہیروں سے بنے ہوئے ہوں۔ اس شمارے میں اپنے پسندیدہ مصنف مصطفےٰ چاند کی کہانی سو برس کی نانی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ صلاح الدین عباسی، سکھر ـــ سائنسی مضمون اسفنجوں کی دنیا (ڈاکٹر منظور احمد) اچھا تھا۔ محمد فاروق اعظم ـــ آپ واقعی عظیم ہیں۔ آپ نے خط شائع کر کے ہمارے دل جیت لیے۔ رضوان احمد، تھرپارکر ـــ قارئین کی عدالت میں اپنا نام دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ اصغر علی شاہ، کراچی ـــ نونہال کی کہانیاں وغیرہ بہت چھوٹے بچّوں کے لیے لکھی گئی نظر آتی ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اب بڑے ہو گئے ہیں۔ اسی لیے ہمیں ان میں زیادہ مزہ نہیں آتا۔ محمد عثمان، فیصل آباد ـــ مجھے آپ کا واپسی کا خط موصول ہوا۔ کہانی چھپنے سے زیادہ آپ کے خط کی خوشی ہوئی۔ اس سے پتا چلا کہ آپ نے میری کہانی غور سے پڑھی اور واپس بھیجی۔ اس سے مجھ میں بہتر لکھنے کا حوصلہ بڑھا۔ اب میں اور کوشش کروں گی کہ پہلے سے بہتر لکھوں۔ شبانہ عندلیب، گوجرانوالہ ـــ "سو برس کی نانی"، "زبان کا زخم"، اور عقل مند کسان سب سے اچھی تحریریں تھیں۔ غزالہ عارف، کراچی۔

جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح سب سے اچھا تھا۔ طفیل احمد صدر، بالا پرانہ ۔ میں نے سرورق ہی سے اندازہ لگالیا کہ رسالہ دل چسپ ہوگا اور ویسا ہی پایا ۔ اس بار نظم "دریائے سندھ" بہت پسند آئی ۔ مصطفےٰ چاند کی نصیحتوں بھری کہانی "سو برس کی نانی" بہت پسند آئی ۔ ہدایت علی خان قائم خانی، جھڈو ــــ لطیفے بھی بہت اچھے تھے ۔ نظم "ماں" (غنی دہلوی) بہت اچھی تھی ۔ ہم نظم کیوں نہیں بھیج سکتے؟ نور الاسلام سحر، جیوانی مکران ــــ

اس لیے کہ پہلے نثر لکھنے کی اچھی طرح سے مشق ہوجائے ۔

مجھے اس شمارے میں سب کچھ پسند آیا۔ انیلا کوثر، بہاول پور ــــ ستمبر کا شمارہ اپنے ساتھ اچھی اچھی کہانیاں، نظمیں وغیرہ لایا۔ خالدہ پروین سومرو، شہلا گل سومرو، گولیمار نواب شاہ ــــ سرورق بہت پیارا تھا۔ رسالے کو کھول کر دیکھا تو دل باغ باغ ہوگیا۔ جاگو جگاؤ نے اس مرتبہ بھی دل پر اثر چھوڑا۔ کہانیاں تمام کی تمام دل چسپ اور معیاری تھیں۔ ظہیر الدین ، میرپور خاص ــــ آخر آپ نے اس رسالے میں کیا ملا دیا ہے ۔ کہیں آپ کے پاس علاء الدین کا چراغ یا انگوٹھی تو نہیں آگئی۔ شگفتہ جعفری، حیدر آباد ــــ سرورق خوب صورت تھا۔ فخر الزماں اعوان، اٹک ــــ خیال کے پھول اور جاگو جگاؤ کی روشنی سے دل منور ہوا ۔ سر سید نظم پڑھ کر طاہر احمر کو داد دی۔ "اللہ میری توبہ" اور "سو برس کی نانی" بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ لطیفے پڑھ کر ہنسی آئی ۔ انکل ایک بات پوچھنا تھی کہ کیا خط بھی لائن چھوڑ کر اور صفحے کے ایک جانب لکھنے چاہییں ۔ ایک اور بات یہ کہ مجھے لفظ "مبشر" کا صحیح تلفظ اور معنی بتا دیں تو مہربانی ہوگی۔ آصف، کاشف، عباس، شہراز، کاظم، منصور، ریحان اور عدنان، شجاع، ایجوکی، کراچی ــــ

تم نے تو اکٹھے دو سوال کر دیے ۔ خط ہر لائن پر لکھ سکتے ہیں، لیکن کاغذ کے ایک طرف تو ہر تحریر لکھنی چاہیے ۔ مُبَشِّر کا تلفظ م پر پیش، ب پر زبر، ش پر تشدید اور زیر، ر ساکن۔ معنی ہیں ۔ خوش خبری دینے والا ۔

طاہر احمر کی نظم سر سید اور نظم ماں (غنی دہلوی) بہت پسند آئیں ۔ محمد اسلم حیات فروکہ، سرگودھا ــــ "دو چادروں والے" اچھی تحریر تھی ۔ ذیشان واحد، سرگودھا ــــ سرورق دیکھ کر جناب مشیر صدیقی صاحب کو داد دینے کو جی چاہا۔ نصیر احمد قریشی، بھریا شہر ــــ اگست کا نونہال بہت ہی بہترین تھا۔ جیسا سوچا تھا اس سے کہیں زیادہ اچھا پایا ۔ محمد ناصر، حیدر آباد ــــ ٹائیٹل بہت پیارا تھا۔ اس شمارے کی تمام کہانیاں قابلِ دید تھیں اور خوب سے خوب تر تھیں۔ ارشد حسین قمر بٹ، فیصل آباد ــــ اس سال کا خاص نمبر مجھے بہت پسند آیا۔ خصوصاً لطیفے تو بہت اچھے تھے ۔ فرخ منہاس، جڑانوالہ ــــ خوب صورت سرورق دیکھ کر ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ رسالہ اندر سے بھی اتنا ہی خوب صورت ہوگا اور ہمارا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا ۔ مقبول احمد قریشی، بھیلان ــــ نونہال ادیب میں نظم 'تتلی' اور لاڈلا شانی بہت پسند آئیں۔ محسن علی، حیدر آباد ــــ کچھ دنوں پہلے میں نے آپ کو ایک کہانی "فرسٹ پرائیز" کے عنوان سے بھیجی جس کے جواب میں آپ نے لکھا کہ یہ کہانی ناقابلِ اشاعت ہے ۔ آپ کے بھیجے ہوئے خط یا جواب سے میری حوصلہ افزائی ضرور ہوئی لیکن حوصلہ شکنی بھی ۔ لیکن اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے میری کہانی پڑھنے کے لیے وقت نکالا جواب بھی گھر بھیجا ۔ میں نے آپ کو جیسا سُنا ویسا ہی پایا۔ آپ بہت عظیم ہیں ۔ پتا نہیں کیوں اور نونہالوں کو آپ سے شکایت ہوتی ہے ۔ اسماء شفیق، لبر زون ــــ جاگو جگاؤ، نونہال بڑوں کی نظر میں اور خوب صورت اشعار بہت پسند آئے ۔ کہانیوں میں نوجوان ادیب مصطفےٰ چاند کی تحریر "سو برس کی نانی" اچھی ہے ۔ مجیب ظفر انوار، کراچی ــــ مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات سے کئی باتیں سمجھ میں آگئیں ۔ امید ہے کہ دوسرے بھی سمجھ گئے ہوں گے ۔ محمد ایوب، حیدر آباد ــــ نونہال کی تعریف کرنا ایسا ہے جیسے سورج کو چراغ دکھانا۔ چوہدری ایم شہباز ناز، گوجرانوالہ ۔ ہمدرد نونہال ہمارا پسندیدہ رسالہ ہے ۔ اس کی تمام کہانیاں بے حد مزے دار ہوتی ہیں ۔ محمد ارشد ظہور ــــ مضامین میں اسفنجوں کی دنیا بہترین تھا ۔ ارم افشاں، کراچی ــــ اور ندیم قیصر سکندری، حیدر آباد ــــ مجموعی طور پر موجودہ شمارہ ایک یادگار شمارہ تھا ۔ محمد حسن رضا گوندل، منڈی بہاء الدین ــــ

ہمارے لیے جناب حکیم محمد سعید جس محنت سے لکھتے ہیں اس کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ نبیلہ گل، کھلابٹ ٹاؤن شپ ـــ نونہال میرا پیارا نونہال مجھے اتنا زیادہ پسند ہے کہ بس میں کیا بتاؤں! ـ ملک فضل ربی راہی اعوان، کراچی ـــ ٹائیٹل کی تبدیلی مجھے بے حد پسند آئی، لیکن کہانی زبان کا زخم ہم متعدد بار پڑھ چکے ہیں۔ عبد اللہ، عقل مند کسان، سو برس کی نانی، اللہ میری توبہ اور علامہ دانش کے کارنامے بہترین کہانیاں تھیں۔ رئیس عبد الغنی، چترک ظاہر پیر ـــ خیال کے پھول میں بڑے لوگوں کے اقوال نے دل میں جگہ کر لی۔ عبد الرزاق، نئی کراچی۔ عبد اللہ دو چادروں والے نے نونہال میں چار چاند لگا دیے۔ الطاف احمد قریشی، دادو ـــ نونہال میں ہر وہ چیز ہوتی ہے جو پڑھ کر دل خوش ہو جائے۔ صائمہ انجم، محمد کاشف، کراچی ـــ نونہال ایک سمندر کی مانند ہے۔ اس کی لہریں علم کی روشنی جہالت کے ساحلوں پر علم کی روشنی کی بارش کرتی ہیں اور دل میں علم حاصل کرنے کی لگن اور شوق پیدا کرتی ہیں۔ محمد اعجاز خان یابرزئی، دادو ـــ سب سے اچھی کہانی سو برس کی نانی تھی۔ نبیل احمد خاں، دھابیجی ـــ آپ اپنی کہانیوں کا معیار اور اچھا کریں، کیوں کہ اب آپ کی کہانیوں میں یکسانیت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ مختار احمد، جام شورو کالونی ـــ سو برس کی نانی بے حد پسند آئی۔ ناز آفرین، کراچی ـــ سرورق بہت اچھا لگا۔ کہانی کے اعتبار سے بالکل صحیح سرورق تھا۔ مبین احمد، کراچی ـــ مشہور شخصیتوں کے بارے میں جو مضمون آپ نے شائع کیے ہیں یہ آپ ہمیشہ شائع کرتے رہیں۔ عقیل ارم شیخ ـــ سرورق کا کوئی جواب ہی نہیں تھا۔ میری طرف سے مشیر صدیقی صاحب کو اتنی اچھی تصویر بنانے پر مبارک باد ہو۔ فتح محمد بھول، کراچی ـــ واقعی نونہال کا ہر شمارہ خاص شمارہ ہوتا ہے۔ شگفتہ پروین، کراچی ـــ علامہ دانش کی آخری کہانی، زبان کا زخم اور عقل مند کسان اچھی کہانیاں تھیں۔ آصف جمیل سومرو، ٹنڈو جام ـــ پورا رسالہ ایک جادو تھا جس کے سحر میں ہم کھو گئے۔ پرنس حبیب الرحمان، ٹنڈو جام ـــ سب ہی کہانیاں لاجواب تھیں خاص طور پر علامہ دانش کا اغوا اچھی تھی۔ اگر آپ علامہ دانش کے تمام سفرناموں کو ملا کر صرف ایک کتاب بنا دیں تو کیا بات ہے۔ حامد علی شاہد، لادہ ـــ یہ رسالہ بہت مفید ہے۔ سبین محمود پاٹولی، حیدر آباد ـــ خاص نمبر بہت اچھا لگا۔ اختر حسین، بر اجیکب آباد ـــ ہمدرد نونہال ہماری اس پاک دھرتی کے نونہالوں کا نمبر ون رسالہ ہے۔ محمد ادریس، ڈیرہ اسماعیل خاں ـــ نونہال واقعی بے مثال رسالہ ہے۔ فوزیہ محمد الدین، کراچی ـــ زبان کا زخم، اور اللہ میری توبہ اچھی کہانیاں تھیں۔ لطائف بہت مزے دار تھے۔ طاہر محمود ہاشمی، خان پور ـــ جاگو جگاؤ اپنی مثال آپ تھا۔ سرورق کی کہانی زبان کا زخم کچھ خاص نہیں تھی۔ "اللہ میری توبہ" کہانی بہت مزے کی تھی۔ لطیفے سب اچھے تھے۔ جبیر رفیق، بابر رفیق، کراچی ـــ نونہال ہر بڑے اور بچے میں یکساں مقبول ہے۔ عامرہ جاوید اور معید عالم، روہڑی ـــ رسالے میں معلوماتی مضامین زیادہ شائع کیا کریں۔ کھتری محمد علی راہی، حیدر آباد ـــ مسکراتے رہو میں بہت مزاحیہ لطیفے تھے۔ زاہد لقمان اور شاہد شفیق، جھڈو ـــ حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ خوب رہا۔ اشعار واقعی خوب صورت تھے۔ تحفے پڑھ کر بہت مزہ آتا ہے۔ ناصر ادریس، منصور پور ـــ خیال کے پھول بہت پسند آئے۔ محمد ناصر بندھانی، سکھر ـــ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ نونہال ہمیں اتنا پسند کیوں ہے؟ شاید اس لیے کہ اس پر آپ سب لوگ بہت محنت کرتے ہیں اور جناب حکیم محمد سعید صاحب کی میٹھی میٹھی باتیں اس رسالے کو بہت میٹھا بنا دیتی ہیں۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں مکھن لگا رہی ہوں۔ تو جناب سُن لیں کہ مکھن تو اُسے لگایا جاتا ہے جو اچھا نہ ہو، اور یہ رسالہ تو خود منھ بولتا ثبوت ہے کہ اس کے جیسا اور کوئی رسالہ نہیں ہے۔ اس کے بارے میں تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑھنے والا خود سمجھ لیتا ہے کہ یہ رسالہ کیا چیز ہے۔ ثمرہ حمید، کراچی۔ یوں تو نونہال میں ہر چیز ہی بہترین ہوتی ہے لیکن اس شمارے میں جاگو جگاؤ، علامہ دانش کا اغوا اور سو برس کی نانی بہت پسند آئی۔ راشد صلاح الدین، ٹنڈو جام ـــ یہ رسالہ واقعی صحافت میں انقلاب برپا کر دینے والا رسالہ ہے۔ ہمارے رسالے میں ہمیشہ مذہب، سائنس، مزاح اور طب ہر موضوع پر اچھا خاصا مواد ہوتا ہے۔ محمد عارف انیس اعوان، ملتان ـــ کہانیوں میں اللہ میری توبہ، عقل مند کسان، اور علامہ دانش کا اغوا پسند آئیں۔ اورنگ زیب، وکاس، اکبر اور جنید، بدین ـــ جناب حکیم محمد سعید کے جاگو جگاؤ

تے ہمیشہ کی طرح سب کو ایک اور نئی بات سے جگایا۔ صائمہ ممتاز، کراچی ۔۔۔ نونہال اتنا خوب صورت رسالہ ہے کہ اس وقت تک چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا جب تک ختم نہیں ہو جاتا۔ محمد قدیم بیگ مغل، ٹنڈو جام ۔۔۔ ستمبر کا شمارہ پڑھ کر بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ جمیل خاں ترک اور محمد صادق خاں، پہر باڑی ۔۔۔ تمام ہی کہانیاں خوب تھیں۔ اس ماہ کا شمارہ ہر لحاظ سے اچھا تھا۔ عتیق حسن رحمانی، کراچی ۔۔۔ سو برس کی نانی بے حد پسند آئی۔ پورا نونہال اپنی مثال آپ تھا۔ شنیلہ انور، ٹنڈو جان محمد ۔۔۔ نظموں میں 'ماں' اور 'ہمارا پاکستان' پسند آئیں۔ ساجدہ سردار، شاہد سردار اور جویریہ سردار، راول پنڈی ۔۔۔ لطیفے بہت اچھے تھے۔ مسرور احمد گھنیر، خیرپور میرس۔ میں آپ کا معلوماتی رسالہ چار سال سے پڑھ رہی ہوں۔ خدیجہ ہارون، خان پور ۔۔۔ ستمبر کا شمارہ پسند آیا۔ امداد علی بلیجو، جھنگ شاہی ۔۔۔ ستمبر کے نونہال نے یہ مجبور کر دیا کہ اس کی تعریف ضرور کی جائے۔ ورنہ یہ نونہال کی توہین ہوگی۔ یہ مضامین کے لحاظ سے بہت بہتر ثابت ہوا۔ سرورق بہت خوب صورت اور کشش والا تھا۔ اس دفعہ معلومات بھی کچھ زیادہ تھیں۔ ستمبر کا نونہال اس سال کا بہترین خاص نمبر ثابت ہوا۔ محمد عرفان میمن، سکھر ۔۔۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ خالد عزیز، کراچی ۔۔۔ زندگی میں کوئی رسالہ پڑھا تو صرف نونہال۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ محمد عمر کھچی، جھڈو ۔۔۔ تحفے بھی خوب تھے۔ ثناء اللہ، سلوئی ۔۔۔ سرورق خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں اللہ میری توبہ (شہناز پروین) سو برس کی نانی (مصطفےٰ چاند) عبداللہ دو چادروں والے (جناب طالب ہاشمی) پسند آئیں۔ ارما رفیع، کراچی ۔۔۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات ہمیشہ کی طرح بہت اچھے تھے۔ افضل غلام عباس ۔۔۔ تازہ نونہال دل کو اتنا بھایا کہ ایک ہی دن میں ختم کر ڈالا۔ سید نفیس الحسن نقوی، محلہ کوٹ اکبر ۔۔۔ پہلی بات (مسعود احمد برکاتی) اور جاگو جگاؤ (حکیم محمد سعید) کی تعریف نہ کرنا بے انصافی ہوگی۔ عبدالرشید اچکزئی، چمن ۔۔۔ اس بار سب سے اچھی تحریر شفق بدر کی تھی۔ محمد مقبول الٰہی کی تحریر بھی پسند آئی۔ جناب طاہر احمر کی نظم بہت خوب صورت تھی۔ جناب ڈاکٹر منظور احمد صاحب بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ گزارش ہے کہ "میرا بچپن" کو مستقل کر دیا جائے۔ کامران بلوچ صنم، اوکاڑہ۔ یہ واقعی ہم بچوں کا ہمدرد ہے۔ محمد بخش احمد حسین، لاڑکانہ ۔۔۔ نونہال ایک ایسا رسالہ ہے جس سے بچے فائدہ ہی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ عبدالحکیم خان، کامل پور موسیٰ ۔۔۔ جولائی کا خاص نمبر اچھا تھا۔ حیدر علی ایف ملتان والا، کراچی ۔۔۔ "ملے اور مارے گئے" اور "چن بھاگ گیا" بہت پسند آئیں۔ رضیہ حمیدی، شفیق، شام کوٹ ۔۔۔ جتنی دوستوں سے اس رسالے کی تعریف سُنی تھی بالکل ویسا ہی پایا۔ محمد اسلم خانزادہ، محمد زمان آرائیں، غلام حسین قریشی اور ندیم احمد قریشی، گوٹھ امیر علی ۔۔۔ مجھے حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ بہت پسند ہے۔ حُسنہ، شکار پور ۔۔۔ معلومات عامہ کے سوالات خاصے مشکل ہوتے ہیں آسان دیا کریں۔ عنبرین ملک، جہلم ۔۔۔ اس بار لطیفے سب سے بہتر تھے۔ محمد علی ۔۔۔ قائد اعظم پر مضمون پسند آیا۔ سیدہ عالیہ مظہر اور سیدہ ارم فاطمہ، کراچی ۔۔۔ تحفے کا کالم معیاری نہیں تھا۔ فاروق احمد انصاری، کراچی ۔۔۔ مجھے نونہال بہت پسند ہے اس میں بہت اچھی اور سبق آموز کہانیاں شائع کی جا رہی ہیں۔ شاہد اور اسد، لاڑکانہ ۔۔۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ لطیفے بھی معیاری تھے۔ کمل کمار، لاڑکانہ ۔۔۔ خاص نمبر اس دفعہ کافی معلومات لے کر آیا۔ عاصمہ غازی ۔۔۔ لطیفے سب پرانے تھے مگر بیان کا طریقہ الگ تھا، اس لیے لطف آیا۔ محمد حبیب رحمانی، نئی آبادی ۔۔۔ خاص نمبر کا سرورق بہت خوب صورت تھا۔ وسیم احمد، ٹنڈو الہ یار۔ اس رسالے میں جدید سائنسی اور الیکٹرونکس کے متعلق مضامین کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔ محمد شاہد شریف، کراچی ۔۔۔ آپ بڑی کہانیوں کے الفاظ بڑے بڑے چھاپتے ہیں۔ آپ قارئین کی عدالت کے الفاظ کی طرح بڑی کہانیاں چھاپا کریں۔ آپ کے اشتہار بھی زیادہ آ جائیں گے اور ایک دو کہانیاں اور بھی آ جائیں گی۔ سید سبط عارف نقوی، کراچی ۔۔۔ تحفے میں ماڈرن ڈکشنری بہت اچھا تھا مگر لنگڑے کا سفر نقل شدہ تحریر تھی۔ علی اصغر حاتم بھائی، کراچی ۔۔۔ جس طرح گلی ورکی کہانی شائع کی گئی اس طرح کی اور کہانیاں شائع کریں۔ ہارون بدر اور عمر متین، راول پنڈی۔ سو برس کی نانی خاص نہ تھی۔ حافظ محمد جاوید اقبال عباسی، احمد پور شرقیہ۔

سلسلہ ۲۶۹

معلوماتِ عامہ کے صحیح جوابات

معلوماتِ عامّہ کے جوابات بھیجنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ جس کاغذ پر جوابات ارسال کریں اس پر اپنا پتا ضرور لکھیں۔ آئندہ سے جو نونہال اپنا مکمل پتا نہیں لکھیں گے ان کی تصویر شائع نہیں کی جاسکے گی۔

۱۔ ان پیغمبر کا نام حضرت یعقوب علیہ السلام ہے جن کے دادا، والد اور بیٹے بھی پیغمبر تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ والد حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

۲۔ پاکستان کا سب سے چھوٹا دریا دریائے راوی ہے۔

۳۔ تاریخِ اسلام میں دو سقّے نظام سقّا (دہلی) اور بچّہ سقّا (افغانستان) مشہور ہیں۔

۴۔ اردو شاعری میں مسدّسِ حالی کو پہلی بڑی قومی نظم تسلیم کیا گیا۔

۵۔ عمر خیّام گیارہویں صدی عیسوی کا مشہور فارسی شاعر تھا۔ اس کی شہرت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے زمانے کا مانا ہوا حساب داں بھی تھا۔

۶۔ امریکا کے صدر کینڈی کو ۱۹۶۳ء میں قتل کیا گیا۔ یہ قتل ڈیلاس، ٹیکساس میں ہوا تھا۔

۷۔ نظامِ شمسی کے اس پہلے سیّارے کا نام نیپچون ہے جو علم ریاضی کی مدد سے دریافت ہوا تھا۔

۸۔ شہنشاہ بابر کا بیٹا ہمایوں کابل میں پیدا ہوا تھا۔

۹۔ باغ و بہار تو میر امّن کی کتاب کا نام ہے اور باغِ اردو میر شیر علی افسوس کی کتاب ہے۔

۱۰۔ جزیرہ مڈغاسکر بحر ہند میں واقع ہے۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

علی نزہت عابدی
محمد علی جوکھیو
عابد رضا شبیر حسین
محمد عباس شبیر حسین
عاصمہ رضوی
شبیر حسین
عاصم علی شبیر حسین
زاہدہ شبیر حسین
افشاں فاطمہ
اسمٰعیل عبدالرحمٰن
فیروز کاشف
سید یاور عباس
سید نیاز حسین جعفری
محمد زبیر شاہد
عنبرین گلزار علی
شارق شمیم
محمد غیاث احمد صدیقی
حسن مہدی خراسانی
عبدالرزاق ندیم
نواب شاہ
شاہدہ ظہور
صدیقہ محمد
روبینہ رزاق
فوزیہ نورین
وحیدہ محمود
شہناز محمود
عذرا ظہور
ساجدہ محمد
محمد پیار علی
محسن رجب علی
یاسین رجب علی
انیلا رجب علی
شبیر حسن رجب علی
شاہدہ ظہیر
سنجھورو
محمد شاہد آرائیں
محمد طاہر آرائیں
سید جاوید علی ہاشمی
سید فواد علی ہاشمی
عاشق حسین نازش
سید نوید علی ہاشمی
محمد یونس سنی
سید ذوالفقار علی ہاشمی
سید علی ہاشمی
پرنس شبیر حسین
سید غضنفر علی ہاشمی
ساتگھڑ
ندیم عمر یوسف زئی
محمد نعیم یوسف زئی
غلام رسول پارس
عاجز عبدالرحمٰن رند
شاہد نذیر آرائیں
فرید احمد قریشی
راجیش کھتہ
غلام نبی منصوری
طلعت مبین لغاری
محمد امین سیف الملوک
غلام مصطفےٰ لغاری بلوچ
خیرپور میرس
سارز شیخ
ظفر اللہ شیخ
صغیر احمد صدیقی
تنویر احمد صدیقی
فیاض احمد سومرو

سکرنڈ
ندیم احمد خانزادہ
نعیم احمد خانزادہ

حیدر آباد
غلام حسین میمن
سعدیہ زہرا

مختلف شہروں سے
محمد سمیع اللہ، دیپالپور
فقیہہ رضوی، لاہور

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں

ناز محمد طاہر آرائیں، سنجھورو

انوار حسین صدیقی، کراچی

ظفر حسین صدیقی، کراچی

محمد ریاض الدین قریشی، کراچی

محمد شاہد آرائیں، سنجھورو

توقیر محمد صدیقی، خیرپور میرس

سعید اظہر، کراچی

سید نیاز حسین جعفری، کراچی

ساجد سعید، حیدر آباد

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
خاور جعفری
حنا جعفری
علیم الدین انصاری
محمد سعد انصاری
شگفتہ ناز انصاری
محمد ادیس انصاری
اسما علیم انصاری
صبا عروج انصاری
محمد عمیر انصاری
اسلام الدین انصاری
ندا عروج انصاری
محمد وقاص انصاری
شاہد گل محمد

لاہور
زائرہ رضوی
فہد رحمان

مختلف شہروں سے
عبدالقادر عبدالستار، ٹنڈو آدم

اس شمارے کے مشکل الفاظ

قُرب — قُ رب : نزدیکی، قربت، مرتبہ۔

مَشیّت — مَشی یَت : خواہش، مرضی، ارادہ، اللہ کی مرضی۔

کج کلاہ — کَج کُ لاہ : ٹیڑھی ٹوپی پہننے والا، بانکا، ترچھا۔

پکھیرو — پَ کھے رُو : پرندہ، طائر۔

یک جہتی — یَک جَہ تی : اتحاد، دوستی۔

لالہ زار — لا لَہ زار : باغ، چمن، وہ کھیت جس میں لالے کے پھول کثرت سے ہوں۔

دوبالا — دو با لا : دُگنا، دوچند۔

قاصر — قا صِر : کوتاہی کرنے والا، مجبور۔

واویلا — وا وے لا : افسوس، ماتم، فریاد، دُہائی، رونا پیٹنا۔

دُھنّا — دُھن نا : رُوئی صاف کرنا، مارنا، پیٹنا، بُرا بھلا کہنا، ذلیل کرنا۔

بادلِ نخواستہ — بادِلے ناخاستَہ : مرضی کے خلاف، دل سے نہ چاہتے ہوئے بھی کوئی کام کرنا۔

عمدہ — عُم دَہ : پسندیدہ، منتخب، نفیس، اعلا درجے کا۔

عنبر — عَم بَر : ایک مشہور خوش بُو کا نام جو آگ پر موم کی طرح پگھل جاتی ہے، سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔

عمیق — عَمی ق : گہرا، غور و فکر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

فراز — فَ را ز : بلندی، نشیب کی ضد۔

فراست — فِ را سَت : دیکھتے ہی کسی اَمر کو تاڑ جانا، دانائی۔

کڑک — کَ ڑَک : کسی چیز کے ٹوٹنے یا چٹخنے کی آواز، بجلی کی آواز، سخت اور مہیب آواز۔

کھلّی — کِھل لی : ہنسی، ٹھٹھا، تمسخر۔

عقیل — عَقیل : بہت ہوشیار۔

کھل بلی — کَھل بَلی : ہل چل، افراتفری۔

کسرت — کَس رَت : ورزش، روزانہ ریاضت پہلوانی، لڑنت۔

اگلا — اَگ لا : پہلا، گزشتہ، آئندہ۔

نزلہ، زکام اور کھانسی

سے محفوظ رہنے کی آسان تدبیر

سُعالین شیشی کے علاوہ نئی اسٹرپ پیکنگ
میں اب پہلے سے زیادہ محفوظ۔

مناسب احتیاط برتئے۔ بروقت سُعالین لیجیے

ہم خدمت خلق کرتے ہیں

نومبر ۱۹۸۸ ہمدرد نونہال رجسٹرڈ ایم نمبر ۶۹

لیور برادرز کا

بلوبینڈ مارجرین

اب اور بھی مزیدار!

لیور برادرز کا

بلوبینڈ مارجرین لذت ہی لذت ۔ توانائی ہی توانائی

SCAN R.T.F